اردو ترجمہ

حق الیقین

جلد اوّل

مصنّفہ

علامہ سیّد محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ

مترجمہ

جناب سیّد بشارت حسین صاحب

ناشر

مجلس علمی اسلامی

(پاکستان)

بعضوں نے کہا کہ خط لکھنا اور شعر کہنا حضرتؐ پر حرام تھا۔ (اور یہ) ثابت نہیں ہے۔ (بارھویں خصوصیت) روزہ میں وصال آنحضرتؐ کے لیے جائز تھا۔ اور دوسروں پر حرام تھا۔ وصال اُس کو کہتے ہیں کہ دو روزوں کے درمیان افطار نہ کرے یا افطار کرنا سحر تک بالقصد ملتوی رکھے۔ (تیرھویں خصوصیت) آنحضرتؐ کے لیے دائمی عقد چار سے زیادہ عورتوں سے جائز تھا اور دوسروں پر حرام (چودھویں خصوصیت) آنحضرتؐ کے لیے وہ عورت بغیر نکاح حلال تھی جو اپنا نفس آپ کو بخش دے (پندرھویں خصوصیت) آنحضرتؐ کی عورتیں دوسروں پر آپ کی حیات و ممات دونوں حالتوں میں حرام تھیں خواہ آپ نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ (سولھویں خصوصیت) حرام تھا کہ آنحضرتؐ کا آپ کا نام لے کر پکاریں کہ یا محمدؐ اور یا احمدؐ کہیں اور خداوند عالم نے بھی قرآن مجید میں کسی جگہ آنحضرتؐ کا نام لے کر نہیں پکارا ہے۔ بلکہ یا ایہا النبی اور یا ایہا الرسول اور یا ایہا المزملؐ اور یا ایہا المدثرؐ فرمایا ہے۔ (سترھویں خصوصیت) لوگوں کے لیے حرام تھا کہ بات کرنے میں آنحضرتؐ کی آواز سے اپنی آواز بلند کریں۔ (اٹھارھویں خصوصیت) لوگوں پر حرام تھا کہ آپ کو حجروں کے پیچھے سے آواز دیں۔ ان کے علاوہ دوسرے خصوصیات بھی ذکر کیے گئے ہیں جو میرے نزدیک ثابت نہیں ہیں۔ اور اس رسالہ میں ذکر کے قابل نہیں ہیں اور نہ مناسب ہے۔ حیات القلوب میں اگر چاہیں ملاحظہ کریں

پانچواں باب

امامت کا بیان

امام سے مراد وہ شخص ہے جو اُمت کا دین و دنیا کے تمام امور میں مقتدا اور پیشوا ہو جس طرح پیغمبرؐ عمل کرتے تھے پیغمبر کی نیابت و جانشینی کی حیثیت سے نہ کہ استقلال کی صورت سے اور اس میں چند مقصد ہیں۔

پہلا مقصد نصب امام کا واجب ہونا۔ واضح ہو کہ اُمت نے اختلاف کیا ہے اس میں کہ امام کا اُسی معنی میں جو مذکور ہوا نصب کرنا ضروری اور واجب ہے یا نہیں۔ اور واجب ہونے کی صورت میں خدا پر واجب ہے یا امت پر؟ نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس کے وجوب پر عقل حکم کرتی ہے یا شرع سے معلوم ہوا ہے اُن کے اختلاف کے ذکر سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ جس پر فرقہ ناجیہ نے اتفاق کیا ہے یہ ہے کہ عقلاً و سمعاً امام کا نصب کرنا خدا پر واجب ہے۔

چند عقلی وجوہ ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

پہلی وجہ۔ ہر وہ دلیل جو انبیاء کے بھیجنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے نصب امام پر بھی دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ معلوم ہے کہ لوگوں کو ان کے دین و دنیا کے امور کے انتظام کے لیے ایک رئیس اور سرکردہ کا ہونا ضروری ہے، جو مختلف امور میں اُن کو راہ راست کی ہدایت کرے اور ان کی معاشرت میں ضرورۃً جو نزاع، جھگڑے اور فسادات پیدا ہوں اُن کو حق وانصاف کے ساتھ طے کرے۔ تمام عقلیں اس معنی پر متفق ہیں اور ایسا شخص یا نبی ہے یا امام ہے جو اُس کا جانشین ہے خصوصاً جناب رسول خدا کے بعد جو خاتم پیغمبراں ہیں کسی دوسرے پیغمبر کی بعثت کی اُمید نہیں ہے۔

دوسری وجہ۔ یہ کہ نصب امام لطف ہے اور لطف خدا پر عقلاً واجب ہے۔ نیز اصلح خدا پر واجب ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ بندوں کے لیے تمام احوال میں اور وجوہ کے زمانہ سے اصلح ایک رئیس و حاکم ہے جس کے اختیار میں مطلقاً اُن کا دین و دنیا ہو اور ایسا رئیس یا پیغمبر ہے یا امام جس زمانہ میں کہ پیغمبر نہ ہو اُن کے تمام حالات امام پر منحصر ہیں۔

تیسری وجہ۔ یہ کہ بعثت رسولؐ انہی حضرتؐ کے زمانہ تک مخصوص و محدود نہ تھی۔ بلکہ حضرتؐ تمام خلق پر قیامت تک کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور ان کے لیے ایک کتاب لائے۔ اور ایک شریعت خدا کی جانب سے مقرر ہوئی اور ہر امر میں یہاں تک کہ کھانے پینے اور جماع کرنے اور بیت الخلا جانے کے آداب و طریقے اُن کے لیے مقرر کیے اور فرائض اور وراثت اور مقدمات و معاملات میں احکام واقعہ حقہ وحی الٰہی کے ذریعہ مقرر کیے اور آنحضرتؐ کی مدت بعثت قلیل مدت تھی۔ اور اُس مدت میں بظاہر قلیل جماعت نے اسلام کا اقرار کیا اور ان میں بہت سے باطن میں منافق تھے، پھر کون عاقل یہ تجویز کرتا ہے کہ خدا اور رسول ایسے امر عظیم کو ناتمام چھوڑ دیں گے۔ اور اس شریعت اور ملت اور کتاب و سنت کا جو کذب و سہو و تبدل سے محفوظ و مصئون ہیں کوئی محافظ نہ مقرر کریں گے اور مجمل امر مبہم اور ظاہر و باطن مطالب کی حامل کتاب ان میں چھوڑ دیں گے جبکہ ابھی اس کتاب کی ترتیب اور وہ جمع بھی نہ ہوئی ہو، اور جو کچھ اس میں ہو انتہائی اجمال کے ساتھ ہو کہ جو جس طرح چاہے سمجھے اور کسی کو اُس کا مفسر نہ معین کیا ہو۔ یا یہ کہ ہزاروں احکام میں سے ایک ضروری حکم ظاہر میں اس میں نہ ہو۔ اور احادیث سُنّت میں نہایت اختلاف و تشویش ہو اور چند نومسلموں کو جن میں سے ہر ایک فاسد غرضیں رکھتا ہو امت کا امیر قرار دیں جو جس باطل امر کو چاہیں اپنے لیے معین کریں اور وہ باطل پرداز ناواقف ہر امر میں صحابہ کو جمع کرکے اور خود دلدل میں پھنسے ہوئے گدھے کے مانند ہو اور اس سے اور اُس سے دریافت کرے تاکہ اپنے باطل اغراض کے مطابق ایک کو ترجیح دے۔ جو شخص تھوڑی عقل بھی رکھتا ہے ایسے امر شنیع کو خدا اور رسولؐ کے لیے جائز نہیں

قرار دیتا۔ اور خداوند تعالیٰ باوجود اُس رافت و رحمت کے جو بندوں کے ساتھ خصوصاً اس امت کے ساتھ رکھتا ہے اور پیغمبرؐ باوجود اس مہربانی اور شفقت کے جو امت سے ہے، کس طرح ایسی حیران کن اور گمراہی کا باعث اُن کے لیے ہوں گے۔ ایسا بزرگ پیغمبر جس نے وہ تمام اذیتیں اور تکلیفیں اپنے بدن شریف اور روحِ اقدس پر اُمت کی ہدایت کے لیے برداشت کیں کیسے ممکن ہے کہ اُس نے یکبارگی ہاتھ اُن سے اُٹھالیا اور کوئی رئیس اُن کے لیے قرار نہ دیا۔ حالانکہ ایک دہقان جب گاؤں میں بیمار ہوتا ہے تو اپنی رعایا اور زمین کے لیے کسی ایک شخص کو مقرر کرتا ہے اور اُن کے بارے میں وصیت کرتا ہے اور کچھ قواعد و ضوابط اپنی متروکات کے لیے معین کرتا ہے۔ پیغمبرؐ آخرالزمان دُنیا سے جاتے ہیں اور کتاب و سنت اور اپنی رعایا اور اُمت کے لیے کسی کی تعیین نہیں کرتے۔ اگر اس بارے میں عقل حکم نہیں کرتی تو کسی بدیہی معاملہ میں حکم نہ کرے گی۔

چوتھی وجہ - یہ کہ مخالفین بھی معترف ہیں کہ آدمؑ سے خاتمؐ تک تمام انبیاء کے ساتھ خدا کا یہی طریقہ اور معمول رہا ہے۔ جب تک اُن کے لیے اُن کا خلیفہ مقرر نہیں کرتا تھا۔ وہ دنیا سے رحلت نہیں فرماتے تھے۔ اور سُنت جناب رسالت مآبؐ تمام غزوات اور جزوی سفروں میں جبکہ حضرتؐ مدینہ منورہ سے فرماتے تھے یہ تھی کہ کسی کو رئیس اور اپنا خلیفہ مقرر فرماتے اور تمام اسلامی شہروں اور قریوں میں بھی یقیناً خود حاکم مقرر فرماتے تھے۔ اور اُن کے معاملہ کو انہی پر نہیں چھوڑتے تھے۔ لہٰذا ایسی لامتناہی جدائی اور لاانتہا سفر میں اُن کے حالات کو بیکار اور معطل کیسے چھوڑ دیا۔

پانچویں وجہ - امامت کا مرتبہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا منصب جلیل نبوت کے مثل ہے اگر امام کو لوگ اختیار کر سکتے تو نبی کو بھی اختیار کر سکتے ہیں اور یہ بالاتفاق باطل ہے۔ ایضاً عام بندوں کی مصلحتوں کے بارے میں امت کی ناقص عقل کب حکم کر سکتی ہے۔ صاحب تدبیر عقلا بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کسی شہر یا حکومت کے انتظام کے لیے مقرر کرتے ہیں اور تھوڑی مدت میں ظاہر ہوتا ہے کہ غلطی کی ہے اور اس کو بدل دیتے ہیں لہٰذا عام مخلوق کی دین و دنیا کی ریاست و حکومت کے لیے لوگوں کی عقلیں کیونکر وفا کر سکتی ہیں۔ ایضاً اس عہدہ کے لیے عصمت شرط ہے جیسا کہ معلوم ہوگا اور کوئی شخص سوائے خدا تعالیٰ کے اس پر مطلع نہیں ہوسکتا۔ اس بارے میں عقلی دلیلیں بہت ہیں۔ جن کی گنجائش اس رسالہ میں نہیں ہے۔ لیکن جو آیتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ امام خدا کی جانب سے منصوب ہوتا ہے۔ ان میں چند آیتوں کے ذکر پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ آیۂ دافی ہدایہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی یعنی آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کیا اور تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور اس میں شک نہیں کہ امام ارکانِ دین میں سب سے بڑی نعمت ہے اور کوئی نعمت اُمت کی دنیا و دین کی بہتری کے لیے امام سے بڑھ کر نہیں ہے۔ لہٰذا

چاہیئے کہ خداوندِ عالم نے اُمت کے لیے امام نصب کیا ہو باوجود اس کے احادیث مستفیضہ جو عامہ وخاصہ کے طریقوں سے وارد ہوئی ہیں کہ یہ آیۂ شریفہ امیرالمومنینؑ کو امام وحاکم امت غدیر خم میں مقرر کرنے کے بعد نازل ہُوا۔

دوسری دلیل — اِس آیۂ کریمہ کے بارے میں وقالوا لولا نزل ھذا القران علی رجل من القریتین عظیم اھم یقسمون رحمۃ ربک نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریا ورحمۃ ربک خیر مما یجمعون ۔ مفسران خاصہ وعامہ نے کہا ہے کہ بعض کفارِ قریش کہتے تھے کہ یہ قرآن کیوں نہ دو بڑے رئیس مردوں پر جو اہلِ مکّہ وطائف سے ہیں نازل ہوا جیسے ولید بن مغیرہ جو مکّہ میں تھا اور عروہ بن مسعود جو طائف میں تھا۔ ان دونوں کے پاس بہت دولت اور باغات وغیرہ تھے۔ خداوندِ عالم نے ان کے باطل قول کی رد میں فرمایا کہ کیا وہ تمہارے پروردگار کی رحمت تقسیم کرتے ہیں یعنی تمہاری پیغمبری کو جس کو چاہیں دیں۔ ہم نے ان کو دنیاوی زندگی میں ان کی معیشت میں بعض سے بعض کو دنیاوی حیثیت سے بہت سے درجوں میں بلند کیا ہے تاکہ ایک دوسرے کے محتاج رہیں تاکہ ان میں سے بعض بعض کو اپنے کام میں لگائے رکھیں۔ اس سبب سے احوال عالم منظم ہو۔ حالانکہ تمہارے پروردگار کی رحمت دنیا کے فانی اموال سے جو کچھ وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے یعنی جبکہ دنیاوی اموال وزیورات جن کی ہمارے نزدیک کوئی قدر ومنزلت نہیں۔ ان کی تقسیم ہم نے ان پر نہیں چھوڑی۔ بلکہ خود تقسیم کرتے ہیں تو نبوت کو باوجود شان کی اس بلندی کے کیسے ان کے اختیار میں چھوڑ دیں اور جبکہ تم کو معلوم ہو چکا کہ مرتبۂ نبوت مثل مرتبۂ امامت کے ہے اور نبوت کے بعد کوئی نعمت امامت تک نہیں پہنچتی لہٰذا چاہیئے کہ اس کو بھی لوگوں کے اختیار میں نہ چھوڑے اور خود نصب وتعین فرمائے اور یہ مطلب اس آیۂ کریمہ سے نہایت واضح ہے اگر تعصب وعناد کی پرآشوبی مخالفین کی آنکھوں میں نہ ہو۔

تیسری دلیل — خداوندِ عالم فرماتا ہے کہ وربک یخلق مایشاء ویختار ماکان لھم الخیرۃ سبحان اللہ عما یشرکون یعنی تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اختیار کرتا ہے اور ان کو (مخلوق کو) کوئی اختیار نہیں ہے۔ اور خدا پاک ہے اُس سے جو وہ لوگ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔ اس آیت کی دلالت بھی ظاہر ہے —— کہ دین ودنیا کے لیے اختیار کرنا خدا کے قبضہ میں ہے نہ کہ خلق کے اختیار میں۔ عامہ کے مفسروں نے روایت کی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کی رد میں نازل ہوئی ہے جو کہتے تھے کہ کیوں خدا نے دوسرے کو پیغمبری نہ دی۔

چوتھی دلیل — بہت سی آیتیں ہیں جو اِس پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا نے تمام چیزوں کو قرآن میں

بیان فرمایا ہے جیسے ما فرطنا فی الکتب من شئ یعنی کتاب (قرآن) میں کسی شئے کو چھوڑا نہیں ہے۔ وکل شئ فصلنا تفصیلا ہر چیز کی تفصیل کر دی جو تفصیل کا حق ہے ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین اور کوئی خشک و تر نہیں جو ظاہر کرنے والی کتاب میں نہ ہو۔ لہٰذا جب خداوند عالم نے قرآن مجید میں سب چیزوں کو بیان فرمایا ہو تو کیسے ممکن ہے کہ تعین امام کو جو اہم امور ہے نہ بیان فرمایا ہوگا۔

پانچویں دلیل۔ فرمایا ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم یعنی خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی، اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں صاحبانِ امر ہیں۔ تو جس طرح خدا و رسول کی اطاعت عام ہے چاہیے اولی الامر کی اطاعت بھی عام ہو اور یہ معلوم ہے کہ خداوند عالم ہر صاحب امر و ہر صاحب حکم کی ہر معاملہ میں اطاعت کا حکم نہیں کرتا ہے۔ لہٰذا چاہئے کہ اولی الامر بھی مثل رسول ہو جس سے غلطی و خطا جھوٹ و گناہ اور سہو نہ صادر ہو۔ ورنہ لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ لوگوں کو ان باتوں کا حکم دیتا ہے جس سے منع کیا ہے اور ایسا شخص امام ہو جس کو حق تعالیٰ نے نصب کیا ہو اور وہ معصوم ہو۔ اور باتفاق سوائے ائمہ اثنا عشر کے اس شان کا کوئی نہیں ہے۔

دوسرا مقصد

شرائط امامت کا بیان۔ قول متکلمین کی بنا پر مشہور یہ ہے امامت کی تین شرطیں ہیں۔

پہلی شرط۔ یہ کہ چاہیئے کہ امام ہر حیثیت سے تمام امت سے افضل ہو خاص کر علم میں ورنہ تفضیل مفضول اور ترجیح مرجوح لازم آئے گی۔ اور یہ عقلاً قبیح ہے۔ ایضاً حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ افمن یھدی الی الحق ان یتبع امن لایھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون یعنی جو شخص کہ خدا تعالیٰ کی جانب ہدایت کرتا ہے زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی لوگ کریں یا وہ جو خود ہدایت یافتہ نہیں ہے اور دوسرے لوگ اس کی ہدایت کریں تو تم کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں سمجھتے اور عدم افضلیت امام کا تم کیسے حکم کرتے ہو۔ پھر فرمایا ہے کہ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون انما یتذکر اولوا الالباب یعنی کیا باہم برابر ہیں جو صاحب علم و رائے ہیں اور وہ جو صاحب علم نہیں ہیں نصیحت تو بس صاحبانِ عقل ہی حاصل کرتے ہیں۔ ایضاً فرماتا ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون یعنی دریافت کرو۔ اہل علم اور اہل قرآن سے اگر تم نہیں جانتے۔ اور جب حق تعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب کیا انی جاعل فی الارض خلیفۃ یقیناً میں چاہتا ہوں کہ زمین میں (اپنا) خلیفہ و جانشین قرار دوں۔ یہ سن کر فرشتوں نے کہا کیا تو ایسے شخص کو قرار دے گا جو زمین میں فساد برپا کرے اور لوگوں کا خون بہائے اور ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ پھر خدا نے آدمؑ کو اسماء تعلیم کئے اور اس کے ذریعہ سے فرشتوں پر حجت تمام کی کہ چونکہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے اس لیے خلافت کا زیادہ سزاوار ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اعلم ہونا

خلافت کے حق کا باعث ہے۔ ایضاً اور جب بنی اسرائیل نے طالوت کی بادشاہی قبول نہیں کی تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اس کو علم و جسم میں زیادتی دی ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ معیار ریاست و بادشاہی علم و شجاعت ہے کیونکہ جسم کی زیادتی قوت و شجاعت ہوتی ہے نہ کہ جسم کا بڑا اور بھاری ہونا شرط ہے۔

دوسری شرط - امامت کی شرائط سے عصمت ہے اور اجماع علمائے امامیہ اس پر منعقد ہے کہ امام بھی مثل پیغمبر ابتدائے عمر سے آخر عمر تک تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پاک و معصوم ہوتا ہے اور اس مضمون پر احادیث متواترہ بہت ہیں۔ ایضاً امام لوگوں کے دین و دنیا پر خدا کا امین ہوتا ہے تو اگر خود خدا کے احکام میں خیانت کرے تو کیا وہ قابل امامت ہوگا۔ (ہرگز نہیں) بلکہ بقول خدا قابل ملامت ہوگا۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون یعنی کیا تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنی ذات کو بھول جاتے ہو باوجودیکہ کتاب خدا کی تلاوت کرتے ہو کیا عقل نہیں رکھتے ہو اور اس بات کی قباحت نہیں سمجھتے۔ پھر فرمایا ہے کہ اے مومنین کیوں ایسی بات کہتے ہو جس کو خود نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ اس بات کو بہت دشمن رکھتا ہے کہ وہ بات کہتے ہو جو خود نہیں کرتے اور ظاہر ہے کہ جو شخص ان ملامتوں کا مستحق ہو قابل خلافت و امامت نہیں ہے۔ ایضاً۔ جب خدا نے جناب ابراہیمؑ سے خطاب کیا کہ میں نے تم کو لوگوں کا امام بنایا۔ جناب خلیل خدا کی اس عطا و بخشش سے بہت خوش ہوئے اور اپنی اولاد کے لیے بھی یہ عہدہ طلب کیا اور کہا کہ میری ذریت میں سے بھی امام قرار دے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ لاینال عہدی الظالمین یعنی امامت کا میرا عہد ظالموں اور گناہ کرنے والوں کو نہیں پہنچے گا۔ جو اپنے نفس پر ظلم کرتا اور اپنی عمر کے اوقات میں گناہ کرتا ہے۔ اُس پر (ظلم) صادق ہوگا۔ کہ عہد امامت اُس کو نہیں پہنچے گا۔ **ایضاً**۔ سب سے بہتر فائدہ نصب امام کا یہ ہے کہ وہ شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور محافظ شریعت ہوتا ہے اور جب گناہ اور معصیت اس کے لیے جائز ہوگی تو دوسرا امام چاہیے کہ اس کو معصیت سے منع کرے اور جو خطا اُس سے سرزد ہوئی ہے اُس سے زائل کرے تو وُہی امام کل ہوگا نہ کہ پہلا خاطی امام **ایضاً** - اُمت پر واجب ہے کہ امام کی قول و فعل میں اطاعت کرے جیسا کہ آیۂ اولی الامر سے معلوم ہوا۔ اگر وہ معصیت کا حکم دے اور اُمت اطاعت نہ کرے تو ایک امر چاہیئے کہ واجب بھی ہو اور حرام بھی ہو۔ **ایضاً**۔ آئمہ پر منکر کی ممانعت کرنا واجب ہے اب اگر عوام امر منکر کو انجام دیں تو امام کی اطاعت و رعایت کے ساتھ ساتھ مخالفت بھی ہوگی اور اگر امام منکر کی ممانعت نہ کریں تو ایک امر واجب کے ترک کے مرتکب ہونگے اور اگر امام کی اطاعت صرف حلال میں ہے اور امام نہی عن المنکر نہیں کرتا تو ضروری ہے کہ ان کا امام کوئی دوسرا بھی ہو جس سے وہ حلال و حرام کے احکام اخذ کریں۔ اس صورت میں دو امام کے محتاج ہوں گے اگر وہ بھی معصوم نہ ہو تو دوسرے امام کے محتاج ہوں گے لہٰذا یا تو

تسلسل لازم آئے گا یا امام معصوم پر انتہا ہوگی اور یہ دلیل کئی دلیلوں کی طرف پلٹتی ہے اور غور و فکر سے معلوم ہوگی۔

تیسری شرط۔ امامت کی شرائط میں سے امامیہ کے نزدیک امام کا ہاشمی ہونا ہے اور وہ اُن نصوص کے سبب جو ائمہ میں سے ہر ایک کے لیے خاص طور سے وارد ہوئے ہیں معلوم ہوگا انشاءاللہ تعالیٰ اور مخالفین ان تینوں شرطوں میں سے کسی ایک کے قائل نہیں ہیں اور ان تین صفتوں کو متکلمین نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ چاہیئے کہ جو صفتیں پیغمبروں کے لیے مذکور ہوئیں اس میں موجود ہوں اسی کے ساتھ شبہ اُس کے نسب میں نہ ہو۔ اور اُن کی ماں غیر عفیفہ نہ ہو، اور جو عیوب خلق کی نفرت کا باعث ہیں اُن سے وہ مبرا ہو جیسے خورہ، برص، اندھا ہونا، گونگا ہونا، بدمزاجی، کج خلقی، بخل، نفس کی دنائت و دنایت پیشہ جیسے حجامی وغیرہ اور ایسے افعال جو عقل کی کمزوری پر دلالت کرتے ہوں۔

اور سلطان المحققین نصیر الملۃ والدین رحمہ اللہ نے اپنے کسی رسالہ میں لکھا ہے کہ امامؑ میں آٹھ شرطیں معتبر ہیں۔ (شرط اول) صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے اس کا معصوم ہونا۔ ان میں سے بعض مذکور ہوئے۔ (دوسری شرط) یہ کہ وہ عالم ہو اُن تمام امور کا جن کی امامت میں احتیاج ہوتی ہے۔ جیسے علوم دینی و دنیوی مثل احکام شرعیہ، سیاست مدینہ، آدابِ حسنہ دُشمنانِ دین کا دفع کرنا اور ان کے شبہات کا برطرف کرنا۔ کیونکہ امامت کی غرض ان کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ (تیسری شرط) شجاعت۔ دشمنوں اور فتنوں کو دفع کرنے، اہلِ باطل کو مغلوب کرنے اور حق کو غالب کرنے کے لیے بعض سپاہیوں کے برخلاف۔ اگر وہ جو سردار ہے بھاگ جائے دین میں نقصانِ عظیم پیدا ہو جائے گا۔ (چوتھی شرط) یہ کہ تمام صفات کمال میں جیسے شجاعت، سخاوت، مروّت، کرم، علم اور جو کچھ صفاتِ کمال سے ہو ہر ایک میں اپنی تمام رعایا سے کامل تر ہو۔ ورنہ تفضیل مفضول لازم آئے گی اور عقلاً وہ قبیح ہے (پانچویں شرط) یہ کہ ان عیبوں سے پاک ہو جو لوگوں کی نفرت کا باعث ہے خواہ وہ خلقت میں ہو جیسے نابینا ہونا۔ خورہ اور برص وغیرہ، خواہ خلق میں ہو جیسے بخل، حرص، کج خلقی، خواہ اصلیت میں جیسے نسب میں ذلیل ہونا ولدالزنا ہونا اور نسب میں متہم ہونا یا اس کے باپ دادا کے نسب میں کسی خرابی کا ہونا خواہ فرع میں ہو جیسے پست و ذلیل پیشہ ور ہونا کیونکہ یہ سب لطف کے منافی ہیں۔ (چھٹی شرط) یہ کہ خدا کے نزدیک اس کی قدر و منزلت تمام اشخاص سے زیادہ ہو۔ (ساتویں شرط) یہ کہ اُس سے معجزات ظاہر ہوں جن سے دوسرے لوگ عاجز ہوں تاکہ ضرورت کے وقت اس کی حقیقت کی دلیل ہوں۔ (آٹھویں شرط) یہ کہ اُس کی امامت عام ہو، اور اسی میں منحصر ہو۔ ورنہ رعایا کے درمیان فساد کا باعث ہوگا اور ان باتوں کا ثبوت یا جماع اور احادیث متواترہ سے بدرجہ اولیٰ ہے۔

تیسرا مقصد امام کے صفات و خصائص کا بیان جو احادیثِ معتبرہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ہماری

حدیثوں میں بہت ہیں اور حیات القلوب میں مذکور ہیں۔ لیکن اس رسالہ میں بھی بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔
کلینی نے بسند معتبر امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ امام کی دس علامتیں ہیں۔ وہ پاکیزہ ناف بریدہ ختنہ شدہ پیدا ہوتا ہے (۲) جب ماں کے شکم سے زمین پر آتا ہے ہاتھوں کو زمین پر رکھ کر شہادتین زبان پر جاری کرتا ہے (۳) محتلم نہیں ہوتا (۴) جنابت کی نجاست اُس کو نہیں پہنچتی (۵) اُس کی آنکھیں سوتی ہیں مگر اس کا دل نہیں سوتا یعنی اُس حال میں جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ جانتا ہے اور (۶) جمائی اور انگڑائی نہیں لیتا (۷) پشت سر سے بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح سامنے سے دیکھتا ہے۔ (۸) فضلہ جو اُس سے جدا ہوتا ہے اُس سے بوئے مشک آتی ہے۔ زمین کو خدا نے موکل کیا ہے کہ اس کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے (۹) جب حضرت رسالت مآبؐ کی زرہ پہنتا ہے اس کی قامت پر دُرست اور ٹھیک ہوتی ہے اور جب کوئی دوسرا پہنتا ہے تو ایک بالشت اُس کی قامت سے زیادہ ہوتی ہے اور (۱۰) فرشتہ اُس کے آخر ایام تک اُس سے گفتگو کرتا ہے۔

ابنِ بابویہ نے حضرت امام رضا علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ امام حکمت میں داناترین مردم ہوتا ہے اور حکمت اور امور کی گہرائی کے علم میں سب سے زیادہ ہوتا ہے اور پرہیزگار و بُردبار، سخی، اور شجاع تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ اس کی عبادت سب سے بلند و زیادہ ہوتی ہے۔ اور اُس کے جسم کا سایہ نہیں ہوتا۔ شاید اس سے مُراد یہ ہو کہ سایہ کا نہ ہونا کبھی کبھی ہوتا ہے اور جناب رسولِ خداؐ کا سایہ کبھی نہ ہوتا تھا اور امام کے پیشاب و پاخانے کو کوئی نہیں دیکھتا جو کچھ خارج ہوتا ہے زمین اُس کو اندر چھپا لیتی ہے تاکہ لوگوں پر ظاہر نہ ہو اور اُس میں مُشک سے بہتر خوشبو ہوتی ہے۔ اور امام لوگوں کی جانوں سے اولیٰ ہوتا ہے کہ چاہیئے کہ لوگ اس کو اپنی ذات پر مقدم رکھیں اور ہر موقع پر اپنی جان اُس پر فدا کر دیں یا یہ کہ لوگ اس حالت کو بے اختیار اُس کی نسبت بہم پہنچائیں۔ وہ اُن پر اُن کے باپ ماں سے زیادہ شفیق اور مہربان ہوتا ہے۔ اور خدا کے سامنے اُس کی تواضع و فروتنی تمام لوگوں سے بہت زیادہ ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو جس بات کا حکم دیتا ہے خود دوسروں سے زیادہ عمل کرتا ہے اور جن باتوں کی اُن کو ممانعت کرتا ہے خود دوسروں سے زیادہ اُس کے ترک میں اہتمام کرتا ہے۔ اس کی دُعا مقبول و مستجاب ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر پہاڑ کے لیے دعا کرے تو وہ دو ٹکڑے ہو جائے۔ جناب رسولِ خداؐ کے اسلحے اور حربے سب اُس کے پاس ہوتے ہیں خصوصاً شمشیر ذوالفقار جو آسمان سے نازل ہوئی تھی۔ اُس کے پاس ایک نوشتہ ہوتا ہے جس میں قیامت تک کے شیعیانِ اہلِ بیت کے نام لکھے ہوتے ہیں اور ایک نوشتہ اور بھی ہوتا ہے جس میں قیامت تک ہونے والے دُشمنوں کے نام تحریر ہوتے ہیں۔ اور امام کے پاس ایک جامعہ ہوتا ہے۔ وہ ایک خط ہے جس کی لمبائی ستر گز اور چوڑائی ایک گوسفند کے چمڑے کے برابر ہے۔ جب لپیٹا جاتا ہے تو اُس کی موٹائی اونٹ کے ران کے برابر ہو جاتی ہے

اُس میں وہ تمام احکام درج ہیں کہ آدم کی اولاد جن کی محتاج ہوتی ہے اور اُس کے پاس جفرِ بزرگ و جفرِ خورد ہوتا ہے۔ ایک بکری کی کھال پر ہے اور دوسرا بھیڑ کی کھال پر۔ اُن میں احکامِ حدود وغیرہ درج ہیں یہاں تک کہ ایک خراش کا قصاص بھی مرقوم ہے جو کوئی شخص کسی کے بدن پر ڈالتا ہے اور ایسے گناہ بھی درج ہیں جن کی سزا ایک تازیانہ یا نصف تازیانہ یا تہائی تازیانہ ہے۔ اُس کو جناب رسولِ خدا نے ارشاد فرمایا اور امیر المومنینؑ نے خود اپنے دستِ مبارک سے لکھا ہے۔ اور مصحفِ حضرت فاطمہ صلوات اللہ علیہا اُس کے پاس ہے جس میں قیامت تک کے بادشاہوں کے نام اور اُن کے حالات مرقوم ہیں۔ اُن معصومہؑ سے اس کی نسبت اس لیے دیتے ہیں کہ جب جنابِ رسولِ خداؐ نے اس دُنیا سے رحلت فرمائی جنابِ فاطمہؑ کو آنحضرتؐ کی جُدائی سے اور منافقین کے مظالم سے بے انتہا صدمہ عارض ہوا، تو خداوندِ عالم نے اُن معصومہ کی تسلی کے لیے حضرتِ جبرئیلؑ کو بھیجا جو آئندہ قیامت تک کی خبریں اُن معظمہ سے بیان کرتے اور جنابِ امیر علیہ السّلام لکھتے تھے۔ اور دوسری حدیث میں فرمایا کہ امام اور حق تعالیٰ کے درمیان نور کا ایک ستون ہے جس میں امام بندگانِ خدا کے حالات دیکھتا ہے اور جو کچھ اس پر مشتبہ ہوتا ہے اُس میں نظر کرتا ہے اور معلوم کر لیتا ہے۔

بسندِ معتبر امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے منقول ہے کہ امام کو چند خصلتوں سے پہچانا جا سکتا ہے (خصلت اوّل) یہ کہ اُس سے پہلے کا امام اُس پر نص کرتا ہے۔ جیسا کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے امیر المومنینؑ کی خلافت پر نص کی۔ (خصلت دوم) یہ کہ جو کچھ اُس سے پوچھا جاتا ہے اس کا شافی جواب دیتا ہے اور اگر لوگ نہیں پوچھتے تو وہ خود بتلانے میں ابتدا کرتا ہے۔ (تیسری خصلت) لوگوں کو آئندہ کی خبر دیتا ہے۔ (چوتھی خصلت) یہ کہ تمام دُنیا کی زبانیں جانتا ہے اور ہر ایک کو اُس کی زبان میں جواب دیتا ہے۔ (پانچویں خصلت) یہ کہ کسی پرند و چرند کی زبان اُس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ ہر ایک کی زبان جانتا ہے۔

احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرات معجزہ کے اظہار میں جبکہ مصلحت ہوتی تھی مُردہ کو زندہ کر دیتے تھے جیسا کہ امیر المومنین علیہ السّلام نے مکرر مُردہ کو زندہ کیا ہے۔ اور حضرت امام محمّد باقر و جعفر صادق علیہما السّلام نے ابو بصیر کو بینا کیا اور صاحب خورہ و مبروص کو شفا دی۔

احادیثِ معتبرہ میں وارد ہوا ہے کہ وُہ تمام معجزات جو خدا نے علیحدہ علیحدہ پیغمبروں کو دیئے تھے سب جنابِ رسولِ خداؐ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السّلام کو عطا فرمائے ہیں۔ وہ حضرات زمین طے کرنے پر قادر تھے کہ بہت دُور کے فاصلوں کو نہایت تھوڑے وقت میں طے کرتے تھے۔ بلکہ ایک روز سے کم میں تمام دُنیا کے گرد کئی بار گھومے ہیں اور تمام پیغمبروں کی کتابوں کو جیسے توریت، انجیل اور زبور اور

صحفِ آدمؑ صحفِ شیثؑ وادریسؑ وابراہیمؑ والواحِ موسیٰ علیہم السّلام سب اُن کے پاس تھیں اور تمام پیغمبروں کے آثار جیسے عصائے موسیٰ، پیراہن ابراہیم ویوسف اور جناب موسیٰ کا وہ پتھر جس سے بارہ چشمے جاری ہوئے اور جنابِ سلیمان کی انگشتری اور بساط اور انبیاء کے تمام تبرکات ان کے پاس تھے اور اب وہ تمام تبرکات حضرت صاحب الامر علیہ السّلام کے پاس ہیں اور حق تعالیٰ نے ابر کو ان کا مسخر فرمایا تھا جس پر سوار ہو سکتے تھے تاکہ ملکوت سماوات و زمین کی سیر کریں اور وہ خدائے تعالیٰ کے بہتر اسمِ اعظم جانتے تھے کہ جس امر کے لیے پڑھتے تھے یقیناً وہ دعا مستجاب ہوتی تھی۔ اُن میں سے ایک اسم آصف بن برخیا جانتے تھے جس کے ذریعہ سے تختِ بلقیس دو مہینے کی راہ کے فاصلہ سے انہوں نے ایک چشم زدن میں جناب سلیمان کے پاس حاضر کر دیا۔ اُن کے علوم کئی طرح کے تھے۔ کبھی صدائے ملک سنتے تھے اور کبھی روح القدس جو ایک مخلوق جبرئیل و میکائیل سے بہت بڑی ہے اُن کے روبرو آکر اُن کو بتاتی تھی اور کبھی خدا کی جانب سے الہام کے ذریعہ القا ہوتا تھا اور فرشتوں کی آواز زنجیر کی آواز کے مانند جو کسی طشت میں ٹکراتی ہے اُن کے کان میں پہنچتی تھی۔ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ہمارا سب سے بہتر علم وہ ہے جو ہر وقت اور ہر آن خدا کے لا انتہا علم سے ہم پر فائض ہوتا ہے اور فرشتے اور روح جو فرشتوں سے عظیم ہے شبِ قدر میں امامِ زمانؑ پر نازل ہوتی ہے اور اُن حضرت کو سب سلام کرتے ہیں اور اُس سال میں جو کچھ مقرر ہوا ہے سب کچھ اُن کو بتاتے ہیں۔ اُن اماموں کے پاس علومِ گذشتہ و آئندہ سب ہوتا ہے اور جو علم آسمان سے زمین پر آیا ہے ان کے پاس ہے۔ وہ تمام پیغمبروں کے علوم کے وارث ہیں اور وہ متوسمین ہیں کہ جس شخص کے چہرے کو دیکھتے ہیں اس کی پیشانی سے ایمان و کفر و نفاق جان لیتے ہیں اور جس درخت، پتّے، ذرّے اور پتھر کو امام دیکھتا ہے اُس کا علم اُس پر ظاہر ہوتا ہے اور تمام قرآن اور اُس کا ظاہری و باطنی علم ستر بطن تک امام سے مخصوص ہے اور جناب رسولؐ کے مثل اسلحوں، زرہوں، سواریوں (گھوڑے، خچر وغیرہ) انگوٹھیوں کے تمام ظاہری و باطنی تبرکات جناب امیرؑ کو ملے اور تمام ائمہؑ اطہار تک پہنچے (اور اب امام آخرؑ کے پاس ہیں) اور چمڑے کا ایک صندوق ان کے پاس ہے۔ جس میں پیغمبرؐ اور اوصیا اور تمام گذشتہ علماء کے علم اس میں درج ہیں۔ اس کو جفرِ ابیض کہتے ہیں اور ایک دوسرا صندوق بھی ان کے پاس ہے جس میں رسولِ خداؐ کے تمام اسلحے محفوظ ہیں اور اس کو جفرِ احمر کہتے ہیں اور جناب صاحب الامر اس کو کھولیں گے۔

بہت سی معتبر حدیثوں میں منقول ہے کہ ہر شب جمعہ جناب رسولِ خداؐ کی مقدس روح اور گذشتہ اماموں کی مطہر روحیں اور امامِ زمانہ کی روح کو اجازت ہوتی ہے کہ آسمانوں پر بلند ہوں۔

وہ عرشِ اعظم الٰہی تک پہنچتے ہیں اور اُس کے گرد سات مرتبہ طواف کرتے ہیں اور عرش کے ہر پائے کے پاس دو رکعت نماز پڑھتے ہیں اُس کے بعد اپنے جسموں کی جانب نہایت فرحت اور بے انتہا علوم کے ساتھ پلٹتے ہیں۔ اور اس اُمت میں سے ہر ایک نیک و بد کے اعمال ہر صبح و شام اور ہر ہفتہ اور ہر مہینے جنابِ رسولِ خدا اور گذشتہ اماموں اور امامِ زمانہ کی روحوں کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ دروازے، دیواریں، پہاڑ اور پردے اُن کے علم کے مانع نہیں ہوتے اور عالم کے مشرق و مغرب میں جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ حضرات خدا کی جانب سے اُس پر مطلع ہوتے ہیں اور جنابِ رسولِ خدا نے وفات کے وقت اپنے تمام علوم کو امیرالمومنین علیہ السلام کے سپرد کیا۔ امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں کہ حضرتؐ نے اُس وقت ہزار باب مجھے تعلیم فرمائے جس کے ہر باب سے دوسرے ہزار باب مجھ پر منکشف ہوگئے۔ اور حضرتؐ نے فرمایا کہ جب مجھ کو غسل، کفن اور حنوط دینا مجھ کو بٹھا دینا اور جو کچھ چاہنا مجھ سے پوچھنا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور اُس وقت بھی علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے کہ جن کے ہر باب سے دوسرے ہزار ہزار باب واضح ہوگئے۔ اسی طرح ہر امام تمام علوم اپنے بعد کے امام کو سپرد کرتا ہے۔ اور امام کو بغیر امام کے کوئی دفن و کفن نہیں کرتا اور نہ نماز پڑھتا ہے۔ اگر کوئی امام مشرق میں دُنیا سے جاتا ہے۔ اور اس کے بعد دوسرا امام مغرب میں اگر ہوتا ہے تو بیشک اُس وقت اعجازِ امامت سے وہ اُس کے پاس آتا ہے اور اُس سے علوم حاصل کرتا ہے اور اُس کی تجہیز کرتا ہے اس طرح کہ دوسرے لوگ اُس سے آگاہ نہیں ہوتے جیسا کہ حضرت امام رضا علیہ السلام بغداد میں پہنچے اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام خراسان میں پہنچے۔ اس کی تفصیل میں نے جلاء العیون میں درج کی ہے۔

اور اکثر و بیشتر حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ان کی روحیں خدا کے انوارِ مقدسہ سے خلق ہوئی ہیں اور اُن کے بدن اور دل عرش کی طینت سے پیدا ہوئے ہیں۔ جب خداوند عالم چاہتا ہے کہ امام کو خلق کرے۔ ایک فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ زیرِ عرش کے پانی کا شربت لے کر امام کے پدر بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ وہ اس کو پیتے ہیں۔ وہ پانی سے زیادہ رقیق۔ مسکہ سے زیادہ نرم۔ شہد سے زیادہ میٹھا اور دُودھ سے زیادہ سفید ہوتا ہے۔ وہ فرشتہ امام سے جماع کا حکم دیتا ہے اور امام کا نطفہ اُس سے منعقد ہوتا ہے۔ جب رحم میں اُس کو چالیس روز گزر جاتے ہیں۔ رُوح اس میں پھونک دی جاتی ہے۔ اور دوسری روایت کے مُطابق چار ماہ کے بعد رُوح پھونکی جاتی ہے۔ اُس وقت وہ لوگوں کی آواز سُنتا ہے اور سمجھتا ہے پھر ایک فرشتہ اُس کے بازو پر یہ آیت لکھتا ہے۔ وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا لامبدل لکلماتہ وھو السمیع العلیم۔ وہ ماں کے شکم میں حق تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور سُورۂ انا انزلناہ اور تمام آیتوں کی تلاوت کرتا ہے۔ جب

پیدا ہوتا ہے تو چاروں ہاتھوں پیروں کے بل بیٹھتا ہے اور پیر کی جانب سے پیدا ہوتا ہے۔ جب زمین پر آتا ہے قبلہ کی جانب رُخ کرتا ہے اور ہاتھوں کو زمین پر رکھ کر سر آسمان کی جانب بلند کرتا ہے اور کلمۂ شہادت باآواز بلند پڑھتا ہے۔ پھر وہ فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں اور دونوں شانوں کے درمیان وہی آیت نقش کرتا ہے۔ پھر اس کو عرش کی جانب سے آواز آتی ہے کہ حق پر ثابت قدم رہنا کیونکہ میں نے تجھ کو ایک امرِ عظیم کے لیے خلق کیا ہے۔ تو خلق میں میرا برگزیدہ میرے راز کا محل و مقام، میری وحی کے لیے میرے علم کا صندوق اور زمین میں میرا خلیفہ ہے۔ اور تیرے اور اس کے لیے جو تجھ کو دوست رکھتا ہے میں نے اپنی رحمت واجب قرار دی ہے اور اس کو اپنی بہشت عطا کی ہے اور اپنے عزّت و جلال کی قسم کھاتا ہوں کہ جو شخص تجھ سے دُشمنی کرے۔ اُس کو اپنے بدترین عذاب (جہنم) میں جلاؤں گا۔ اگرچہ میں نے دنیا میں اس کی روزی فراخ کی ہوگی۔ جب یہ آواز تمام ہوتی ہے امام آیۂ شہد اللّٰہ کو آخر تک اس آواز کے جواب میں پڑھتا ہے۔ اُس وقت خداوندِ عالم اُس کو علمِ اوّلین و آخرین عطا فرماتا ہے اور وہ اس کا مستحق ہوتا ہے یعنی رُوح القدس شبِ قدر اور اس کے علاوہ دوسری راتوں میں اُس کی زیارت کرتی ہے۔ جب وہ مرتبۂ جلیل امامت پر فائز ہوتا ہے تو خداوندِ عالم نور کا ایک علم اور ایک منارہ ہر شہر میں اس کے لیے بلند کرتا ہے تاکہ اُس میں بندوں کے اعمال دیکھے۔ ایک روایت کے مُطابق جس رات وہ پیدا ہوتا ہے ایک نُور اس کے گھر میں چمکتا ہے کہ اُس کے باپ اور ماں اس کو دیکھتے ہیں۔ جب زمین پر آتا ہے قبلہ کی جانب رُخ کرتا ہے اور تین مرتبہ چھینکتا ہے اور تمجید میں اُنگلی بلند کرتا ہے۔ ناف بریدہ اور ختنہ شدہ دُنیا میں آتا ہے۔ اور تمام دانت موجود ہوتے ہیں۔ اس کے ہاتھوں سے ایک شبانہ روز ایک زرد نورِ ساطع ہوتا رہتا ہے۔ بہت سی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ان کے مکاناتِ مقدس ملائکہ کے نازل ہونے کے مقام ہیں اور ان کے مکانوں میں بار بار نازل ہوتے ہیں حضرت صادقؑ نے فرمایا کہ۔

فرشتے ہمارے بچّوں پر ہم سے زیادہ مہربان ہیں اور آپ نے اپنے مکان کے تکیوں میں سے ایک تکیہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ فرشتوں نے ان پر بہت تکیہ کیا اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم ان کے پر چن چن کر جمع کرتے ہیں اور اپنے لڑکوں کے تعویذ بناتے ہیں۔ ائمہؑ تمام جنوں پر حجتِ خدا ہیں۔ جنوں کی فوجیں ان کی خدمت میں آتی ہیں اور اپنے دین کے احکام اور حلال و حرام ان سے معلوم کرتے ہیں اور ائمہ علیہم السّلام ان کو خدمتیں سپُرد کرتے ہیں اور پیغام دے کر دوسرے مقامات پر بھیجتے ہیں۔ ایک جن ایک عظیم اژدہے کی صورت میں مسجدِ کوفہ میں حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں آیا جس وقت کہ آنحضرتؑ منبر پر جلوہ افروز تھے۔ حضرت نے اُس سے پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے عرض کی عمرو بن عثمان جس کے باپ کو ..... آپ نے جنوں پر خلیفہ مقرر فرمایا تھا اور وُہ اِس

وقت فوت ہوگیا۔ یہ سُن کر حضرتؑ نے اُس کو اُس کے باپ کی جگہ خلیفہ مقرّر فرمایا۔ یہ ظاہری مجمل حالات ہیں جن تک اکثر لوگوں کی عقلیں پہنچ سکتی ہیں۔ لیکن ان عجیب و غریب حالات اور پوشیدہ اسرار کو نہیں جانتی ہیں اور نہ اُن کے سُننے کی طاقت رکھتی ہیں۔ سوائے کوئی مقرب فرشتہ یا پیغمبر مرسل یا مومن کامل کے۔ کیونکہ حق تعالےٰ ان کے دلوں کا امتحان کر چکا ہوتا ہے اور نورِ ایمان سے منوّر کئے ہوتا ہے۔

حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ ہم کو خدا کا شریک مت قرار دو اور ہماری پروردگاری کے قائل نہ ہو۔ ان کے علاوہ جس قدر فضائل و کمالات ہمارے لیے ثابت کرو کم ہے۔ اور خداوند عالم نے فرمایا ہے۔ قل لوکان البحر مداداً لکلمات ربّی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربّی ولو جئنا بمثلہٖ مددا۔ یعنی اے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کہہ دو کہ اگر میرے پروردگار کے کلمات لکھنے کے لئے سمندر روشنائی ہو تو یقیناً ختم ہو جائے قبل اس کے کہ میرے پروردگار کے کلمات تمام ہوں اگرچہ ہم ویسا ہی روشنائی کا سمندر اور تیار کردیں اور احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ہم ہیں کلمات خدا کہ ہمارے فضائل کا احصا نہیں ہو سکتا۔ جیسا کسی شاعر نے کہا ہے کہ ؎

کتاب فضل تو را آب بحر کافی نیست
کہ تر کنی سر انگشت و صفحہ بشماری

آپ کے فضائل لکھنے کے لیے سمندر کا پانی کافی نہیں ہے۔ کیونکہ فضائل کا دفتر اس قدر زیادہ ہے کہ سمندر سے اُنگلیاں تر کرکے اُس کے صفحات گنتے گنتے سمندر تمام ہو جائیں گے اور دفتر کے صفحات گننے کے لیے کافی نہ ہوں گے۔

چوتھا مقصد۔ امام کے پہچاننے کے بیان میں۔ امام کو چند وجوہ سے پہچان سکتے ہیں۔

(پہلی وجہ) یہ جو سب سے زیادہ ظاہر اور سب سے زیادہ آسان اور لطف و مرحمت و حکمت الٰہی کے مناسب ہے جیسا کہ تم کو معلوم ہوا جناب رسولِ خدا کی جانب سے امت کے کسی فرد کے لیے امامت پر نص ہے اور سابق امام کی نص آنے والے امام پر جیسا کہ معلوم ہوگا کہ ائمہ اثنا عشر صلوات اللہ علیہم اجمعین خدا و رسولؐ اور امامِ سابق کی جانب سے منصوص ہیں۔

(دوسری وجہ) امام کا تمام اُمت مع اُس گروہ کے جو امامت کے مدعی ہوئے ہیں افضل ہونا اور باجماع امت امامت اُن سے باہر نہیں ہے۔

(تیسری وجہ) جو معجزہ کہ دعویٔ امامت سے وابستہ ہو۔ اور یہ جو حضرات اہلسنت کہتے ہیں کہ امامت تھوڑے لوگوں کی بیعت سے حاصل ہو جاتی ہے اگرچہ ایک ہی شخص ہو جیسا کہ ابوبکر عمر کے بیعت کرنے سے خلیفہ ہو گئے بعضوں نے کہا ہے کہ چاہیئے کہ پانچ اشخاص بیعت کریں جیسا کہ عمر نے شوریٰ میں پانچ شخصوں کے اجتماع پر اکتفا کی اور پانچ سے زیادہ نہیں کہا ہے۔ یہ ایسی بات

ہے جس کو کوئی صاحب انصاف عاقل تجویز نہیں کرتا کہ خلق کے بارے میں باطل اغراض اور فاسد خیالات رکھنے کے باوجود پانچ افراد یا ایک شخص کسی جاہل کی بیعت کرلیں۔ چاہیئے کہ تمام خلق امورِ دین و دُنیا میں اُس کی اطاعت کرے اور اگر نہ کریں تو ان کا قتل حلال بلکہ واجب ہو۔ اگرچہ وہ مخالفت کرنے والے علی بن ابی طالب علیہ السلام یا امام حسنؑ علیہ السلام یا امام حسین علیہ السلام ہوں اور لوگوں پر یزید پلید کی اطاعت واجب ہو۔ اور اُس ظالم و جابر، ولد الزنا، شراب خور، اور دنیا بھر کے عیوب سے ملوث ملعون کی مخالفت کی وجہ سے امام حسینؑ جگر گوشۂ رسولؐ سردار جوانانِ بہشت کا قتل جائز بلکہ واجب ہو اور ایسی بیعت جو خفیہ طور سے سقیفہ بنی ساعدہ میں چند منافقین و دشمن امیرالمومنینؑ کے اتفاق سے امیرالمومنینؑ و حسنین علیہما السلام اور بنی ہاشم میں سے کسی ایک شخص کی موجودگی کے بغیر اور سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ و عمارؓ و زبیر و اسامہ بلکہ تمام صحابہ کی اطلاع کے بغیر واقع ہو اس کا نام اجماع رکھا ہے۔ اور جبر و تشدد سے امیرالمومنینؑ اور تمام صحابہ کو کھینچ کر بیعت کے لیے لائیں تو اس کا نام اہلِ حل و عقد کا اتفاق رکھیں اور اپنی کتابوں میں لکھیں۔ آیا کسی عاقل کی عقل تجویز کرتی ہے کہ حق تعالیٰ ریاست دین و دُنیا جو نبوت کی جانشینی ہے، ایسے کھیل و تماشہ پر بنا کرے گا۔ اگر کسی رئیس کو کسی گاؤں میں مقرر کرتے ہیں تو جب تک اُس قریہ کے اکثر لوگ کسی شخص پر اتفاق نہ کریں اُس کا تقرر پسند نہیں کرتے۔ اس بحث کی تفصیل انشاء اللہ اس کے بعد مذکور ہو گی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ امام کا تعیّن ان تین امور میں سے ایک کے ساتھ وابستہ ہے اور ان تینوں میں سے ہر ایک کے بارے میں ائمہ معصومینؑ کے اخبارِ متواترہ سے ہم پر ثقات و معتمدین رُوات شیعہ امامیہ کے ذریعہ سے جن کی صداقت و صلاح و دیانت کا علم ہم کو ہے ثابت ہوا ہے اور ہم عین الیقین کے ساتھ اُن کی حقیقت جانتے ہیں۔ لیکن اگر ہم چاہیں کہ مخالفین پر حجت تمام کریں تو چاہیئے کہ ان کی معتبر کتابوں کی حدیثوں سے ہم ان پر حجت قرار دیں اسی لیے ہمارے علماء رحمہم اللہ نے ہمیشہ ان کی معتبر کتابوں سے اُن پر حجت تمام کی ہے کیونکہ اگر ہم اپنی کتابوں سے اُن پر حجت تمام کریں تو وہ انکار کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ اپنی وضعی احادیث کو جو خلفائے جور کے غلبہ کے زمانہ میں منافق صحابہ نے منصب و عہدہ اور مال و زر کی طمع میں وضع کی ہیں ہمارے اوپر حجت قرار دیں تو اُن کو قبول کرنا ہم پر لازم نہ ہو گا۔ لہٰذا چاہیئے کہ ہم اُن حدیثوں سے جو متواتر اور فریقین میں مقبول ہیں یا اُن کی معتبر کتابوں میں مذکور ہیں اپنے مذہب کا حق ہونا ثابت کریں اور اُن کو بھی چاہیئے کہ اُن حدیثوں سے جو متواتر ہیں یا ہماری معتبر کتابوں میں مذکور ہیں استدلال کریں نہ کہ اُن وضعی حدیثوں سے جو اُن کی کتابوں سے مخصوص ہیں اور جن کے متعلق اُن کے علما کے ایک گروہ نے بھی اقرار کیا ہے کہ موضوع ہیں استدلال کریں اور چونکہ اس زمانہ میں اُن کے تعصّب کی شدت سے اکثر کتابیں جو سابق

زمانہ میں اُن کے درمیان رائج تھیں اور جن میں اہلبیت کے فضائل اور خلفائے جور کے عیوب و نقائص درج تھے متروک ہیں۔ لہٰذا میں اس رسالہ میں ان کی معتبر اور رائج کتابوں سے بیان کرتا ہوں جس سے انکار نہیں کر سکتے۔ جیسے صحیح بخاری و صحیح مسلم جن کو قرآن مجید کا ثانی مانتے ہیں اور جامع الاصول ابن الاثیر جو ان کے سب سے بڑے عالموں میں سے ہیں اور ان کی تمام صحاح ستہ کی حدیثیں جن سے مراد صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطائے مالک، سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد سجستانی ہیں۔ ان کتابوں میں جمع کیا ہے۔ اور مثل مشکوٰۃ کے جس کے مؤلف اُن کے مشہور علماء میں سے ہیں اور طیبی وغیرہم نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ اور اس زمانہ میں ان کے تمام شہروں میں وہ کتابیں رائج ہیں اور پڑھی جاتی ہیں۔ وہ اپنی کتاب کی ابتدا میں کہتے ہیں کہ میں نے ان حدیثوں کو چند کتابوں سے نقل کیا ہے کہ جب میں حدیث کو ان کی طرف نسبت دیتا ہوں ایسا ہے کہ جنابِ رسولِ خدا کی جانب نسبت دی ہے اور کتاب استیعاب ابن عبدالبر کہ وہ بھی ان کے مشہور علماء میں سے ہیں اور اُن کی کتاب بھی اُن میں رائج ہے اور کتاب شرح ابن ابی الحدید نہج البلاغہ کی جو ان کے بڑے علماء میں سے ہیں اور کتاب درمنثور سیوطی جو اُن کے مشہور فضلاء میں ہیں اور تفسیر ثعلبی جس سے مضامین اخذ کرنے پر ان کی تفسیروں کا دار و مدار ہے۔ اور تفسیر فخر رازی جو اُن کے امام ہیں اور تفسیر کشاف و تفسیر نیشاپوری و تفسیر بیضاوی و تفسیر واحدی اور انہی جیسی کتابوں سے جو ہمارے پاس موجود ہیں اور ان کے درمیان متداول اور معتمد ہیں اور احادیث اہلِ بیت علیہم السّلام کتاب حیات القلوب میں بیان کر چکا ہوں۔

جاننا چاہیئے کہ فرقہ ناجیہ کا مذہب یہ ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ کے بعد اور رسولؐ کی نص سے بغیر کسی واسطہ کے خلیفہ علی بن ابی طالب علیہ السّلام ہیں اور اہلِ سُنّت کہتے ہیں کہ لوگوں نے ابوبکرؓ کو جنابِ رسولِ خداؐ کے بعد مقرر کیا ہے اور خلیفہ اوّل وہ ہیں۔ ابوبکر نے عمر کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا اور وہ دوسرے خلیفہ ہیں۔ اور عمر نے اپنی وفات کے وقت شوریٰ چھ آدمیوں کے درمیان قرار دیا اور امیرالمومنینؑ کو ان چھ اشخاص کے درمیان داخل کیا اور یہ تدبیر کی کہ یا امیرالمومنینؑ قتل ہوں یا مجبوراً عثمان کی بیعت کریں۔ کیونکہ امیرالمومنین کو عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن وقاص کے ساتھ ضم کیا اور کہا کہ اگر سب ایک شخص پر اتفاق کر لیں تو وہی خلیفہ ہوگا اور اگر اختلاف کریں اور ایک طرف زیادہ ہوں تو جو کم ہوں ان کو قتل کر دیں اور اگر دونوں طرف برابر ہوں اور دو دو اشخاص ایک ایک شخص کو اختیار کریں تو عبدالرحمٰن جس کی طرف ہوں اس کو اختیار کریں اور دوسرے تینوں اشخاص کو قتل کر دیں۔ اگر وہ (عبدالرحمٰن کے گروہ سے) اتفاق نہ کریں عمر کے پاس سے جب باہر نکلے تو امیرالمومنین علیہ السّلام نے فرمایا کہ اپنی تدبیر و کوشش مجھے قتل

کرنے کی پوری کردی کیونکہ عبدالرحمٰن سعد کا چچازاد بھائی ہے اور عثمان عبدالرحمٰن کے داماد ہیں اور یہ تینوں اشخاص ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہو سکتے۔ آخر میں یہ کہ طلحہ و زبیر میرے ساتھ ہوں۔ چونکہ عبدالرحمٰن دوسری طرف ہوں گے تو چاہیئے کہ میں قتل ہو جاؤں یا ان تینوں میں سے کسی کی بیعت کروں اور آخر روز شوریٰ ایسا ہی ہوا اس کے بعد جبکہ جناب امیرؑ نے اپنے تمام فضائل و مناقب ان کو گنوائے اور سب نے تصدیق کی۔ اس کے باوجود عبدالرحمٰن نے حضرت امیرالمومنینؑ سے کہا کہ میں آپ کی بیعت اس شرط سے کرتا ہوں کہ کتاب خدا سنت رسولؐ اور ابوبکر و عمر کی سیرت پر آپ عمل کریں گے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ میں کتاب خدا و سنت رسولؐ خدا پر عمل کروں گا۔ سیرت شیخین پر نہیں کروں گا اور یہ بات اس لیے کہی کہ وہ جانتے تھے کہ جناب امیر علیہ السلام ان کی سیرت پر عمل کرنا منظور نہیں کریں گے۔ پھر یہی بات عثمان سے کہی اور انھوں نے قبول کر لیا تو عبدالرحمٰن اور سعد دونوں نے عثمان کی بیعت کر لی اور لوگوں نے بھی جبراً بیعت کی۔ اس طرح خلیفہ سوم ان کو مانتے ہیں۔ جب عثمان کے مظالم اور بدعتیں حد سے گذر گئیں تو صحابہ نے اتفاق کیا اور ان کو قتل کر دیا اور خلیفہ برحق امیرالمومنینؑ سے بیعت کی۔ لہٰذا ان حضرت کو خلیفہ چہارم جانتے ہیں اور بعض منافقوں نے خلفائے عباسی کی خوشامد میں اختراع کیا ہے کہ جناب رسولِ خداؐ کے بعد آپ کے چچا عباس نے دعوائے خلافت کیا اور وہ خلیفہ ہیں اور اس قول کا باطل ہونا بخوبی ظاہر ہے۔ اور اس کے قائل لوگ سب ختم ہو گئے۔ کوئی باقی نہیں ہے۔ اور جناب امیرؑ کی خلافت ثابت ہونے سے بھی اس قول کا باطل ہونا ظاہر ہے۔

پانچواں مقصد ۔ بعض ان آیتوں کا بیان جو امیرالمومنینؑ کی امامت و فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ (اوّل) آیۂ وافی ہدایہ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون (یعنی تمہارے حاکم تو بس خدا و رسول ہیں اور وہ ایمان والے جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اس حال میں جبکہ رکوع میں ہوتے ہیں۔ عامہ و خاصہ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت انہی حضرتؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جامع الاصول میں صحیح نسائی کے حوالہ سے عبداللہ بن سلام سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں جناب رسولِ خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ چونکہ ہم نے خدا و رسولؐ کی تصدیق کی ہے۔ لوگ ہم سے کنارہ کش ہو گئے اور ہم سے دشمنی کرتے ہیں اور قسم کھائی ہے کہ ہم سے بات نہ کریں گے اسی وقت خدا نے یہ آیت نازل کی۔ بلالؓ نے نماز ظہر کے لیے اذان دی۔ لوگ اُٹھے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ بعض سجدہ میں بعض رکوع میں تھے اور بعض مسواک کر رہے تھے۔ ناگاہ ایک سائل نے سوال کیا۔ امیرالمومنینؑ نے رکوع میں اپنی انگوٹھی اُس کو دی اور سائل نے رسولِ خداؐ

کو خبر دی کہ علی علیہ السلام نے رکوع میں یہ انگوٹھی مجھ کو دی۔ جناب رسولِ خدا نے اس آیت کو بعد کی آیت کے ساتھ پڑھا۔ اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں روایت کی ہے کہ ایک روز عباس چاہ زمزم کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور حدیث ذکر کر رہے تھے ناگاہ ابوذر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا ایہا الناس میں ابوذر غفاری ہوں۔ میں نے رسولِ خداؐ سے اپنے انہی دونوں کانوں سے سُنا ہے اگر میں جھوٹ کہتا ہوں تو میرے یہ کان بہرے ہو جائیں اور اپنی انہی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے اگر جھوٹ ہو تو میری یہ دونوں آنکھیں اندھی ہو جائیں کہ علی نیکوکاروں کے پیشوا، کافروں کے قتل کرنے والے ہیں اور امداد یافتہ ہے وہ جو اُن کی مدد کرے اور ذلیل و گمراہ ہے وہ جو اُن کی مدد نہ کرے۔ یقیناً میں نے ایک روز جناب رسولِ خداؐ کے ساتھ نماز ظہر ادا کی۔ ایک سائل نے اُسی وقت مسجد کے ایک دروازہ سے سوال کیا کسی نے اُس کو کچھ نہ دیا تو سائل نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے کہا خداوندا گواہ رہنا کہ میں نے رسولِ خداؐ کی مسجد میں سوال کیا اور کسی نے مجھ کو کچھ نہ دیا۔ اُس وقت علی علیہ السلام رکوع میں تھے۔ آپ نے اُسی حالت میں سائل کی طرف اپنے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے اشارہ کیا۔ آپ ہمیشہ اُس ہاتھ میں انگشتری پہنے رہتے تھے سائل آیا اور اُن حضرت کی انگلی سے انگوٹھی اُتار لی۔ جناب رسولِ خدا ابھی نماز میں تھے اور یہ صورت مشاہدہ فرمائی جب نماز سے فارغ ہوئے سر آسمان کی جانب بلند کیا اور کہا خداوندا میرے بھائی موسیٰؑ نے تجھ سے سوال کیا اور کہا تھا کہ پالنے والے میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارونؑ سے میرا سینہ کشادہ فرما اور میرے کاموں کو آسان کر اور میری زبان کی گرہ (لکنت) کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھیں اور اُن کو میرا وزیر قرار دے۔ میرے بازو اُن سے قوی فرما اور میرے کاموں میں اُن کو میرا شریک قرار دے تو اے خدا تو نے ان کی دُعا مستجاب فرمائی اور اُن سے خطاب فرمایا کہ عنقریب تمہارے بھائی کے ذریعہ تمہارے بازو قوی کر دوں گا اور تم دونوں کو غلبہ اور قوت دوں گا۔ خداوندا میں تیرا بندہ محمدؐ تیرا پیغمبر برگزیدہ ہوں۔ میرا سینہ بھی کشادہ فرما۔ اور میرے کام بھی آسان فرما اور میرے اہل میں سے میرا وزیر علیؑ بن ابی طالب کو قرار دے اور اُن سے میری پشت قوی کر دے۔ ابوذرؓ نے کہا کہ ابھی آنحضرتؐ کا کلام تمام نہیں ہوا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام خدا کی جانب سے نازل ہوئے اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آیت علیؑ کو سُنا دیجئے۔ آنحضرتؐ نے سُنایا۔ سیوطی نے بہت سی سندوں کے ساتھ اور فخر رازی نے دو سندوں سے اور زمخشری، بیضاوی، نیشاپوری، ابن البطریق واحدی، سمعانی، بیہقی، نطنزی، صاحب مشکوٰۃ مؤلف مصابیح اور تمام مفسرین و محدثین خاصہ و عامہ مثل سدی، مجاہد، حسن بصری، اعمش، عتبہ بن ابی حکم، غالب بن عبداللہ، قیس بن ربیعہ، عبایہ بن ربعی، ابن عباسؓ، ابوذرؓ اور جابر ابن عبداللہ

انصاری وغیرہم نے روایت کی ہے۔ اور حسّان شاعر اور اُس کے علاوہ دوسرے شاعروں نے اس واقعہ کو نظم کیا ہے اور جو وجہ آنحضرتؐ کی امامت پر دلیل ہے یہ ہے کہ انما کلمہ حصر ہے اور ولی کے لغت میں چند معنی آتے ہیں یاور، دوست، صاحب اختیار، اولی بتصرف۔ آخری دونوں معنی ایک دوسرے سے نزدیک ہیں اور پہلے دونوں معنی ظاہر ہے کہ اس آیت میں مراد نہیں ہیں کیونکہ مومنین کے یاور اور دوست مخصوص خدا و رسولؐ اور بعض مومنین جو اس صفت سے موصوف ہوتے ہیں نہیں ہیں بلکہ تمام مومنین آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے۔ والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض اور فرشتے بھی مومنین کے محب و یاور ہیں جیسا کہ فرمایا ہے کہ نحن اولیاؤکم فی الحیٰوۃ الدنیا۔ بلکہ بعض کفّار بعض مومنین کے محب و یاور ہوتے ہیں۔ اگر کہیں کہ آیت میں لفظ جمع وارد ہوا ہے۔ کیونکر آنحضرتؐ سے مخصوص ہوگا۔ تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ عرب و عجم میں جمع کا اطلاق واحد پر باعتبار تعظیم کے عام ہے یا دوسرے نکات آیاتِ کریمہ میں بہت ہیں یا یہ کہ ہم اختصاص کا دعوےٰ نہیں کرتے ہیں۔ کیونکہ ہماری حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ اس آیت میں تمام ائمہ داخل ہیں اور ہر امام قرب امامت میں یقیناً اس فضیلت سے فائز ہوتا ہے اور صاحب کشاف نے کہا ہے کہ اس آیت سے مراد اگرچہ وُہی حضرتؐ ہیں۔ لیکن لفظ جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ دُوسرے بھی اُن حضرت کی متابعت کریں۔ اس کی تائید کہ یہ آیت اُنہی حضرت کی شان میں ہے اور اس آیہ سے مُراد اُنہی حضرتؐ کی ذات ہے اور مُراد ولایت و امامت ہے۔ صحیح مسلم اور صحیح ترمذی میں عمر و بن حصین سے روایت کی ہے کہ جناب رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک لشکر کہیں بھیجا اور امیرالمومنینؑ کو اُس لشکر کا امیر مقرر کیا۔ حضرتؐ نے فتح کیا اور غنیمت میں سے ایک کنیز لے لی۔ اہلِ لشکر کو یہ امر پسند نہ آیا۔ صحابہ میں سے چار اشخاص نے یہ طے کیا کہ جب رسُولِ خداؐ کی خدمت میں پہنچیں گے تو اس کی شکایت حضرتؐ سے کریں گے۔ قاعدہ یہ تھا کہ جب مسلمان جنگ سے واپس آتے تھے پہلے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور سلام کرتے تھے۔ اس کے بعد اپنے اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ جب آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور سلام کیا۔ اُن چار افراد میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ امیرالمومنینؑ نے ایسا کیا ہے۔ یہ سُن کر جناب رسُولِ خداؐ نے اُس کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ دوسرے شخص نے کھڑے ہو کر یہی بات کہی۔ حضرتؐ نے اُس کی طرف سے بھی مُنہ پھیر لیا۔ تیسرے نے بھی کہا۔ حضرتؐ نے اُس کی جانب سے بھی مُنہ پھیر لیا۔ جب چوتھے نے بھی کہا تو حضرتؐ نے اُن سب کی طرف رُخ کیا اور غضب حضرتؐ کے چہرۂ مبارک سے ظاہر تھا اور تین مرتبہ فرمایا کہ علیؑ سے کیا چاہتے ہو۔ بیشک علیؑ مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں اور وہ ہر مومن اور مومنہ کا ولی ہے۔ ابن عبدالبر نے استیعاب

میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے علیؑ ابن ابی طالب سے فرمایا کہ میرے بعد تم ہر مومن کے ولی ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ولایت وہ امر ہے جو اُن حضرتؑ سے مخصوص ہے۔ ولی جو اس آیت میں ہے انہی کی شان میں ہے اور حدیث اوّل کے فقرۂ اوّل سے معلوم ہے کہ جو خصوصیت اُن حضرتؑ کو جناب رسولِ خداؐ سے تھی کسی دوسرے کو نہیں تھی۔ ایضاً جناب رسولؐ کے ارشاد کے مطابق آپ کے بعد ولی ہونے کی خصوصیت دونوں دلیلوں میں خلافت پر ہے۔ کیونکہ محبت اور نصرت حیات کی حالت میں بھی تھی اور ہر عاقل جانتا ہے کہ ایسا شخص ابوبکر و عمر و عثمان کی رعایا اور اُن کے حکم کا تابع نہیں ہو سکتا تھا۔

(دوسری آیت) یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وکونوا مع الصادقین یعنی اے وہ گروہ جو ایمان لائے ہو چاہیئے کہ اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ ہر معاملہ میں خصوصاً کردار و گفتار سے (یعنی اپنے قول و عمل سے) اپنے ایمان کے دعوے میں۔ اور ظاہر ہے کہ اُن کے ساتھ ہو جانے سے مراد قول و عمل میں اُن کی اطاعت و پیروی ہے نہ یہ کہ جسم اور بدن سے اُن کے ساتھ ہونا۔ کیونکہ وہ محال ہے اور بے فائدہ اور امامت کے معنی یہی ہیں۔ چونکہ باتفاق امت قرآن مجید میں خطابات عام ہیں اور تمام اُمت اور ہر زمانہ کے ساتھ شامل ہیں۔ لہٰذا چاہیئے کہ ہر زمانہ میں ایک صادق کا ہونا ضروری ہے تاکہ اُمت اُس کے ساتھ ہو اور معلوم ہے کہ فی الجملہ صادق سے یہی مراد ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ ہر شخص صادق ہو اور اُس کی متابعت واجب ہو، اور یہ امر باتفاق باطل ہے لہٰذا چاہیئے کہ صادق جمیع افعال و اقوال میں مراد ہو، اور وہ معصوم ہے اس لیے ہر زمانہ میں امام کا وجود ثابت ہوا۔ اور اُس کی اطاعت و پیروی بھی، اور بالاتفاق سوائے جناب رسولِ خداؐ اور بارہ اماموں کے کوئی معصوم نہیں ہے۔ الغرض اُن کے مذہبوں کا حق ہونا اور اُن کے ائمہ کی امامت معلوم ہوئی کہ (کیا حقیقت رکھتی ہے) اسی کے ساتھ سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اور ثعلبی نے تفسیر مشہور میں ابن عباسؓ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ آیت میں صادقوں سے مراد حضرت علی بن ابی طالب علیہ السّلام ہیں اور ابراہیم بن محمد الثقفی اور خرکوشی نے کتاب شرف النبی میں اسمعی سے اُسی کی سند سے حضرت باقر علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ صادقین سے مراد محمد و علی علیہما السّلام ہیں۔ اور امیر المومنین سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ صادقون ہم ہیں اور حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ صادقون آلِ محمدؐ ہیں اور بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ صادقین وہ ہیں جن کی شان میں خدا نے فرمایا ہے۔ من المومنون رجال صدقوا ما عاھدوا اللّٰہ علیہ فمنھم من قضٰی نحبہ و منھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا ٥ یعنی مومنین میں وہ چند مرد ہیں جنھوں نے سچ کہا ہے۔ ان باتوں کو جن پر خدا سے عہد و پیمان کیا تھا کہ

رسولؐ کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے اور دشمنانِ دین سے جنگ کریں گے اور میدان سے نہ بھاگیں گے یہاں تک کہ قتل ہو جائیں اور آنحضرتؐ کی متابعت دل و زبان سے کریں گے۔ لیکن بعض نے اُن میں اپنے عہد کو وفا کیا یہاں تک کہ شہید ہوئے۔ اور بعض شہادت کا انتظار کر رہے ہیں اور اُنھوں نے اپنے عہد کو نہیں بدلا، جو نہ بدلنے کا حق ہے اور عامہ و خاصہ کی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ یہ آیت اہلبیتؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس سے مراد حضرت حمزہ، جعفر طیار اور امیرالمومنین علیہم السلام ہیں جنھوں نے عہد کیا تھا کہ جب تک قتل نہ ہو جائیں جنابِ رسولِ خدا کی مدد و نصرت سے ہاتھ نہ اُٹھائیں گے۔ اور اُنھوں نے اِس عہد کو پورا کیا اور جو شہید ہوئے وہ حمزہ اور جعفر تھے اور جو شہادت کا انتظار کر رہے تھے امیرالمومنینؑ تھے۔ وہ لوگ جنگ سے کبھی نہ بھاگے مثل ابوبکر و عثمان و انہی کے ایسے لوگوں کے۔ اور اُن لوگوں نے دینِ خدا میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا ہے۔ اسباب النزول میں عامہ کے طریقہ سے روایت کی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں شہادت کا انتظار کر رہا ہوں۔ اور میں نے خدا سے اپنے عہد کو تبدیل نہیں کیا جو نہ کرنے کا حق ہے۔

اس آیت میں دو استدلال اس مدعا استحکام پر نقل کرتا ہوں۔ ایک مشاہیر علمائے عامہ اور ایک اعاظم علمائے خاصہ کا۔

(پہلا استدلال) یہ ہے کہ امام فخر رازی نے جو حضرات اہلسنت کے امام ہیں اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں مومنوں کو حکم دیا ہے کہ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ لہٰذا چاہیئے کہ صادقین موجود ہوں کیونکہ ہونا کسی چیز کے ساتھ مشروط ہے، اُس چیز کے ہونے پر لہٰذا لازم ہے کہ ہر زمانہ میں صادقین ہوں اور چاہیئے کہ تمام اُمت باطل پر نہ جمع ہوں اور یہ دلیل ہے اس پر کہ یہ اجماع حجت ہے اور یہ زمانہ رسول سے مخصوص نہیں ہے کیونکہ بتواتر ثابت ہے کہ قرآن کے خطابات قیامت تک تمام مکلفین سے ہیں۔ ایضاً۔ آیت کے الفاظ تمام اوقات کو شامل ہیں۔ اور کسی زمانہ سے تخصیص کرنا جو آیت سے معلوم نہیں ہوتا حکم کو معطل کرنے کا باعث ہے۔ ایضاً خدائے تعالیٰ نے اوّل اُن کو تقویٰ کا حکم دیا ہے اور یہ حکم ہر شخص کے شامل ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ متقی نہ ہو اور خطاب اُس سے جائز ہو۔ لہٰذا آیۂ کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب کوئی شخص جائز الخطا ہے اُس پر واجب ہے کہ اُس کی پیروی کرے جس کی عصمت خطا سے واجب ہو (یعنی خطا سے محفوظ رہنا واجب ہو) اور وہ وہی ہیں جن کو خدا نے صادق فرمایا ہے اور . . . . .

حکم کی ترتیب اس بارے میں اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جائز الخطا پر اس لیے واجب ہے کہ وہ صادق کی اقتدا و پیروی کرے کہ وہ اس کو خطا سے باز رکھے اور یہ مطلب ہر زمانہ سے متعلق ہے لہٰذا چاہیئے کہ معصوم بھی ہر زمانہ میں ہو، اور ہم اس کو قبول کرتے ہیں۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ معصوم ساری

اُمت ہے اور شیعہ کہتے ہیں کہ اُمت میں سے صرف ایک شخص ہے اور ہم کہتے ہیں کہ یہ قول باطل ہے کیونکہ اگر ایسا ہے تو چاہیئے کہ ہم پہچانیں کہ وہ شخص کون ہے تاکہ اُس کی ہم متابعت کریں اور ہم وہ ہیں کہ اُس شخص کو اُمت میں نہیں پہچانتے۔ یہاں تک فخر رازی کا کلام تھا۔ اور خداوند تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ اور زبان پر نہایت یقین کے ساتھ دلیل تمام کرنے کے بعد جاری کردیا۔ انھوں نے ایسا کمزور جواب دیا جس سے اپنی عصبیت اور عناد تمام عالم پر ظاہر کردیا۔ اور کسی صاحبِ عقل پر اس جواب کا ضعف مخفی نہیں ہوگا۔

ہم وضاحت کے لیے چند وجوہ سے اُن کا جواب دیتے ہیں۔

وجہ اوّل ۔ جب کہ انھوں نے تصریح کردی کہ ہر زمانہ میں معصوم کی لوگوں کو خطا سے محفوظ رکھنے کے لیے ضرورت ہے تو کوئی عاقل تجویز کرتا ہے کہ ان زمانوں میں جبکہ جنابِ رسالت مآبؐ کی اُمت عالم کے مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی ہے۔ کسی ایک شخص کے لیے ممکن ہوسکتا ہے کہ تمام علمائے اُمت کے اقوال کا علم حاصل کرے کہ کسی نے اِس مسئلہ میں مخالفت نہیں کی ہے باوجود اس اختلافِ آراء اور خواہشات کے جو درمیان اُمت موجود ہے۔ یہ فاضل جو دعوے کرتے ہیں کہ اُن کا تبحر تمام علماء سے زیادہ ہے اُن کو علم نہیں کہ وہ مسئلہ امامیہ کو جانتے پھر جائیکہ تمام اسلامی فرقوں کے مسائل۔ اگر برفرضِ محال سب کو دیکھیں اور سب کی باتیں سُنیں تو کہاں سے معلوم ہوگا کہ اُس نے اپنے واقعی اعتقاد اُن سے بیان کیے ہیں جبکہ ممکن ہے کہ تقیہ کیا ہو جیسا کہ مذہب امامیہ میں جائز ہے۔ ایضاً یہ کہاں سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مرنے کے وقت تک اس مذہب پر باقی رہے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی اجماع کی تحقیق میں اکثر کے قول کی بنا پر شرط ہے۔

دوسری وجہ ۔ مان لیا جائے کہ ایسا اجماع ممکن ہے اور اس کا علم تحقیق سے بہم پہنچایا جاسکتا ہے مگر قلیل مسائل میں ممکن ہے پھر خطا تمام مسائل میں کیسے رفع ہوسکتی ہے۔

تیسری وجہ ۔ یہ کہ ظاہراً بلکہ صریحاً یہ ہے کہ کونوا مع الصادقین یعنی صادقین کے ساتھ ہونے پر مامور لوگ صادقین کے علاوہ ہوں گے اس وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے لیے عین صادق ہیں۔

چوتھی وجہ ۔ یہ کہ جو کچھ مذہب شیعہ کی نفی میں کہا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ ہم جانتے کہ صادق کون ہے اُس کے مثل ہے کہ اہل کتاب کہیں کہ رسولؐ کی نبوت باطل ہے کیونکہ اگر حق ہوتی تو چاہیئے تھا کہ ہم اس کو پہچانتے اور اس کی حقیقت جانتے اور کہیں کہ عیسیٰ پیغمبر ہوتے تو ہم ان کی حقیقت جانتے اور حق یہ ہے کہ یہ اُن ہی کی تقصیر کی جانب راجع ہے۔ چاہیئے کہ تعصب کو بطرف کرکے از رُوئے انصاف دلائل و اخبار و آثار کی جانب رجوع ہوں تاکہ بہ مقتضائے والذین جاھدوا

۵ فینا لنھدینّھم سبلنا حق اُن پر ظاہر ہو اگرچہ کہتے ہیں کہ حق اُن پر واضح نہیں ہوا ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ حق اُن پر ظاہر ہو چکا ہے۔ لیکن حبّ دُنیا اور خواہش نفسانی کی پیروی میں اظہار نہیں کرتے اگر وہ یہ وجہ بیان کریں کہ اجماع کی تحقیق کی نفی میں جو تم نے کہی تو تمھارے علماء پر بھی وارد ہوتی ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ وہ اجماع کو معصوم کے داخل ہونے کے اعتبار سے حجت مانتے ہیں۔ اگر دو افراد اتفاق کرلیں کہ جانتے ہیں اور ان میں سے ایک معصوم ہے تو حجت جانتے ہیں اور اگر ایک لاکھ اشخاص اتفاق کریں اور معصومؑ ان کے درمیان داخل نہ ہو تو حجت نہیں جانتے۔ کیونکہ اگر ہر ایک پر خطا و غلطی جائز ہے تو ان کے مجموعے پر بھی جائز ہے اور معصوم کے داخل ہونے کا علم علمائے شیعہ کے اقوال سے جو آئمہ معصوم علیہم السّلام کے زمانہ میں اور ان کے زمانہ سے قریب تھے ہیں ممکن ہے جو ان کے لیے حاصل ہوا ہوگا۔ اس رسالہ میں اس امر کی تحقیق کی گنجائش نہیں ہے۔

(دوسرے یہ کہ) جناب شیخ سید مفید علیہ الرحمہ سے لوگوں نے اس آیت کی تفسیر دریافت کی اور یہ کہ یہ آیت کس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ شیخ قدس اللہ روحہ نے جواب میں فرمایا کہ یہ آیت جلیل الدلالۃ حضرت امیرالمومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس کا حکم ان کی اولاد امجاد میں جو پیشوائے دین اور ائمہ صادق ہیں جاری ہوا ہے اور اس باب میں حدیثیں بہت وارد ہوئی ہیں۔ اور آیت کے اسلوب سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جناب مقدس الٰہی نے اس آیت میں لوگوں کو حکم دیا ہے کہ صادقین کی متابعت کریں اور ان سے جُدا نہ ہوں اور چاہیے کہ جن کو خطاب کیا اور حکم دیا ہے ان کے علاوہ ہوں جو ان کے ساتھ رہنے پر مامور ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ کسی شخص کو حکم دیں کہ اپنے ساتھ رہیں اور اپنے حکم کی پیروی کریں۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ صادقوں سے مراد یا تمام سچے ہوں یا ان میں سے بعض ہوں اور پہلا قول باطل ہے کیونکہ ہر مومن باعتبار ایمان صادق ہے اور سب اس دعوے میں سچے ہیں لہٰذا لازم آتا ہے کہ سب مومنین اپنی متابعت پر مامور ہوں اور یہ محال ہے اور اگر اُن میں سے بعض مراد ہیں یا بعض معہود و معلومی مراد ہیں کہ الف ولام (آیت پر) عہد خارجی کے لیے ہو یا یہ کہ بعض غیر معہودی مراد ہیں بنا بر قولِ اوّل تو چاہیئے کہ یہ جماعت معلوم و معروف ہو اور مخاطب لوگ ان کو پہچانتے ہوں اور آیتیں ان کے نام و نسب کے ساتھ وارد ہوئی ہوں اور ان لوگوں نے سُنی ہوں اور جو شخص ایک شخص کے بارے میں دعوےٰ کرے بغیر اُس جماعت کے جن کے بارے میں ہم دعوےٰ کرتے ہیں تو باطل ہے کیونکہ معلوم ہے کہ دوسرے کے حق میں یہ مراتب تحقیق شدہ نہیں ہیں اور وہ معہود نہیں ہیں اور خود معترف ہیں کہ جناب رسُولِ خداؐ کے زمانہ میں اُن کی خلافت کی تعیین نہیں ہوئی اور قول دوم کی بنا پر بعض غیر معہود مُراد ہوں گے۔ لہٰذا یقیناً اُس کے بعد اس بعض کی تعیین و تخصیص ہو ورنہ امر مجہول کی تکلیف ہوگی کہ مثل اُس کے نہیں کرسکتا اور وہ محال ہے اور معلوم ہے کہ ہمارے

آئمہ کے سوا کسی نے تعیین و تخصیص کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور نہ کر سکتا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ مراد وہی حضرات ہیں۔ نیز اس پر کہ وہی حضرات مراد ہیں ہم عقلی و نقلی دلیل رکھتے ہیں۔

دلیل عقلی ۔ چونکہ اس آیۂ کریمہ میں حکم ہوا ہے کہ امت مطلق ان کی متابعت کرے اور ایک حکم کے علاوہ دوسرے کسی حکم کی تخصیص نہیں ہوئی ہے لہٰذا چاہیئے کہ وہ معصوم ہوں ورنہ لازم آئے گا کہ اُمت خطا و معصیت میں اُن کی متابعت پر مامور ہوئی ہے اور یہ محال ہے۔ چونکہ عصمت ایک امر باطنی ہے جس کو سوائے خداوند تعالیٰ کے کوئی نہیں جان سکتا۔ لہٰذا چاہیئے کہ نص ان کی امامت اور عصمت پر ہوئی ہو اور بالاتفاق ان کے سوا دوسروں پر نص نہیں ہوئی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ وہی مراد ہیں

دلیل نقلی ۔ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں صادقین کی چند صفتوں کے ساتھ تعریف کی ہے جو حضرت امیر المومنینؑ کے سوا کسی میں جمع نہیں ہوئی ہیں۔ کیونکہ فرمایا ہے۔ لیس البر ان تولّوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب یعنی یہ نیکی نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق اور مغرب کی جانب کرلو۔ ولکن البر من آمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ والکتاب والنبیین لیکن نیک انسان وہ ہے جو خدا و روزِ قیامت اور فرشتوں اور خدا کی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے واٰتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمسٰکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب اور وہ اس کی محبت میں اپنے قرابت داروں یا رسولؐ کے قرابت داروں پر اور یتیموں اور مسکینوں پر اور مُسافروں پر جو اپنے گھر واپس نہیں جا سکتے اور سوال کرنے والے گداؤں پر اور غلاموں کو آزاد کرنے میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون بعہدھم اذا عاھدوا والصّابرین فی البأساء والضرّاء وحین البأس اولٰئک الّذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون۔ وہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ جب کوئی عہد کرتے ہیں تو اس کو پُورا کرتے ہیں اور وہ تکلیف و پریشانیوں میں صبر کرتے اور ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے سچ کہا اور اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔ اس کے بعد شیخؒ نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیۂ شریفہ میں ان خصلتوں کو جمع کیا پھر اُس شخص کے لیے شہادت دی جس میں یہ اوصاف سچائی اور تقویٰ کے ساتھ کامل طور پر مطلقاً موجود ہیں۔ بلکہ صدق و تقویٰ کو ان میں منحصر کر دیا ہے۔ جیسا کہ علم معانی و بیان میں مقرر ہے۔ پھر پہلی آیت کو اس میں ضم کریں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ صادقین کی متابعت کرو جن میں یہ خصلتیں کامل اور جمع ہوں اور ہم کو جناب رسولِ خدا کے صحابہ میں امیر المومنینؑ کے سوا کوئی نہیں ملتا جس میں یہ خصلتیں جمع ہوں۔ لہٰذا چاہیئے کہ پہلی آیت میں صادقین سے مراد وہی ہوں اور ساری امت تمام احکام میں ان کی اطاعت پر مامور ہو۔ کیونکہ آیت میں ایک حکم کے

ساتھ دوسرے حکم کی تخصیص نہیں ہوئی ہے ۔ اور اُن حضرت کی ذات اقدس میں ان اوصاف کا کمال واجتماع یہ ہے کہ آیت کی ابتدا میں خدا، روزِ قیامت ، ملائکہ خدا کی کتابوں اور روزِ قیامت پر ایمان لانا مذکور ہوا ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ وہ حضرت تمام لوگوں سے پہلے اُن چیزوں پر ایمان لائے اور خاصہ و عامہ کی متواتر حدیثوں کے مطابق وہ مردوں میں سب سے پہلے شخص تھے کہ آنحضرتؐ کی اجابت کی ۔ چنانچہ جناب رسولِ خداؐ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا کہ میں نے تم کو اُس شخص سے تزویج کی جو اسلام و اطاعت خدا و رسولؐ میں تمام صحابہ سے بہت پہلے ہے اور علم میں سب سے زیادہ ہے ۔ اور یہ خبر بھی متواترہ ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدا کا خالص بندہ اور رسولؐ خدا کا بھائی ہوں اور مجھ سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کہی ہے اور نہ میرے بعد کوئی کہہ سکتا ہے ۔ لیکن وہی جو بہت جھوٹا اور افترا کرنے والا ہو ، اور میں نے دوسروں سے سات سال پہلے نماز پڑھی اور فرماتے تھے کہ خداوندا میں اس امت میں سے کسی کے بارے میں نہیں کہتا کہ اُس نے مجھ سے پہلے تیری عبادت کی ہو اور جب خوارج سے آپ کی گفتگو ہوئی جب وہ کہتے تھے علی جھوٹ کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میں اُس کو جھوٹ کی نسبت دے کر خدا کو (معاذاللہ) جھوٹا کہوں حالانکہ میں وہ ہوں جس نے خدا کی عبادت کی اور کیونکر رسولؐ پر افترا کیا ہے جب کہ میں سب سے پہلے ان پر ایمان لایا ہوں اور ان کی تصدیق اور مدد کی ہے ۔ اور حضرت امام حسن علیہ السلام نے اُس رات فرمایا جس رات دُنیا سے جناب امیرؑ نے رحلت فرمائی کہ آج رات وہ دُنیا سے رخصت ہوا کہ اگلے لوگ اس سے کمالات میں آگے نہیں بڑھے اور نہ آنے والے لوگ بڑھ سکتے ہیں ۔ اس پر بہت دلیلیں ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا ۔ خداوندِ عالم نے ایمان کے بعد آیت میں اموال اور تصدقات کا ذکر فرمایا ہے ۔ اور نصوص قرآنی اور احادیث متواترہ کے مطابق حضرت امیرالمومنینؑ ان اوصاف میں بھی سب سے زیادہ ہیں ۔ حق تعالیٰ سورہ "ہل اتیٰ" میں فرماتا ہے ۔ ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا ۔ یعنی خدا کی محبت میں مسکین و یتیم و اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں ۔ عامہ و خاصہ کے مفسروں اور راویوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت بلکہ پورا سورہ علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کی شان میں نازل ہوا ہے ۔ پھر فرمایا ہے الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سراً و علانیۃ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ یعنی وہ لوگ جو رات اور دن میں چھپا کر اور علانیہ طور پر اپنا مال (راہِ خدا میں) خرچ کرتے ہیں تو اُن کے خدا کے پاس اُن کا (بہترین) اجر ہے اور نہ ان کے لیے آخرت میں کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے ۔ شیخ نے فرمایا ہے کہ روایت مستفیضہ وارد ہوئی ہے کہ یہ آیت امیرالمومنین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے ۔ اور اس میں اختلاف نہیں ہے

کہ اُن حضرتؑ نے اپنے قُوّتِ بازو کی محنت سے کثرت سے غلاموں کو آزاد کیا جس کا احصا نہیں ہو سکتا اور بہت سے کھیتوں اور باغوں کو جن کو اپنے دستِ حق پرست سے لگایا اور تیار کیا تھا فقرا و مساکین کے لیے وقف کر دیا تھا۔

اِس کے بعد خداوندِ عالم نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا ذکر فرمایا ہے اور وہ انہی حضرت کی شان میں آیۂ کریمہ انما ولیکم اللہ کی دلالت سے ہے جس پر اہلِ نقل نے اتفاق کیا ہے کہ حضرتؑ نے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ مؤلف کہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شیخ نے اس آیت کو اِس معنی پر محمول کیا ہو یا یہ کہ واتو الزکوٰۃ کو واوِ حالیہ قرار دیا ہو۔ اس قرینہ سے کہ پہلے اس آیت میں مال کا خرچ کرنا مذکور ہوا۔ اور تاکید سے تاسیس زیادہ بہتر ہے۔ لہٰذا شیخ نے کہا کہ اس کے بعد خدا نے ایفائے عہد کا ذکر فرمایا اور اصحاب میں سے کوئی شخص نہیں جس سے نقض ظاہر نہ ہوا ہو۔ یا اس کو اس کی نسبت نہ دی گئی ہو۔ لیکن جنابِ امیرؑ وہ ہیں جن کے بارے میں کسی کو احتمال بھی نہیں ہوتا ہے کہ آپؑ نے جو عہد رسولِ خداؐ سے آنحضرتؑ کی حمایت و نصرت و جانفشانی کے لیے کیا ہو اُسے توڑا ہوگا لہٰذا یہ صفت بھی اُنہی حضرتؑ سے مخصوص ہے۔

اِس کے بعد حق تعالیٰ نے بلاؤں، سختیوں اور جہادوں میں ثابت رہنے اور صبر کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ آپ کے علاوہ کسی شخص نے لڑائیوں اور سختیوں میں صبر نہیں کیا اور نہ ثابت قدم رہا ہے۔ وہ فقط آپ کی ذات ہے کہ باتفاق دوست و دشمن کسی جنگ میں پیٹھ نہیں پھیری اور نہ کسی (بڑے سے بڑے سورما) سے خوف کیا۔ خدا نے ان تمام خصلتوں کے ذکر کے بعد فرمایا۔ کہ یہی لوگ ہیں جو سچے اور راستگو ہیں۔ اُن کے علاوہ دُوسرے نہیں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔ یعنی جس صادق کی اطاعت و پیروی کا ہم نے حکم دیا ہے کہ یہ صفات اس میں مجتمع ہوں گے وُہ امیرالمومنینؑ ہیں۔ اور لفظِ جمع سے ان کی تعبیر تعظیم و عظمت کے لیے ہے کیونکہ اہلِ عرب لفظ جمع واحد پر اطلاق کرتے ہیں جبکہ اُس کی بلندی اور رفعتِ شان کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لفظِ جمع اِس اشارہ کے لیے لاتے ہیں کہ کچھ دُوسرے لوگ بھی اس امر میں شریک ہیں چنانچہ اس جگہ یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ تمام ائمہ اطہار اس مرتبہ اور ان جلیلہ صفتوں میں اُن حضرت کے شریک ہیں [۱]

---

[۱] مؤلف فرماتے ہیں کہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے اُس نے ابنِ عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت امیرالمومنینؑ کے پاس چار درہم تھے۔ ان کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ آپ نے ایک درہم پوشیدہ طور سے خیرات کیا۔ ایک علانیہ طور سے۔ ایک رات کو دیا اور ایک دن کو دیا۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا وعلانیۃ الخ

(بقیہ اگلے صفحے پر)

(تیسرے) یہ کہ مخالفین موافقین کے طریقہ سے بہت سی حدیثیں آپ کے صدق اور صدیق ہونے کی آیتوں کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ابن مردویہ و حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں اور سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اسی طرح دوسرے مفسرین نے ابن عباس اور مجاہد سے روایت کی ہے خدا کے اس قول کی تفسیر میں کہ والذی جآء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون یعنی وہ شخص جو سچائی لایا اور اس کے ساتھ تصدیق کی، ایسے ہی پرہیزگار ہیں۔ کہتے ہیں کہ جو سچائی لایا، . . .

وہ جناب رسولِ خدا ہیں اور جس نے اُن کی تصدیق کی وہ حضرت علی بن ابی طالبؑ ہیں اس بنا پر موصول اُس میں صدق مقرر ہے۔ اور عربی دان کوفیوں نے موصول کو حذف کیا ہے۔ پھر حق تعالیٰ فرماتا ہے والذین امنوا باللہ ورسلہ اولئک ھم الصدیقون والشھدآء عند ربھم لھم اجرھم ونورھم احمد بن حنبل اور دوسری جماعت نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے جو خدا اور رسولؐ پر ایمان لائے۔ اور وہ بہت راستگو ہیں، اور تصدیق کرنے والے اور پیغمبروں کے گواہ ہیں اس کے کہ اُن پیغمبروں نے تبلیغ رسالت کی ہے جنابِ رسولِ خداؐ کی تصدیق پر ان کے لیے ان کا اجر ہے اور اُن کا نور صراط پر ساتھ ہوگا۔ پھر خداوندِ عالم نے فرمایا ہے۔ ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھدآء والصالحین وحسن اولئک رفیقا۔ یعنی وہ لوگ جو خدا و رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں وہ روزِ قیامت اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔ جن پر خدا نے انعام فرمایا ہے اور وہ پیغمبرانِ خدا اور صدیقین اور شہدا وصالحین ہیں اور وہ اچھے رفیق ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ پیغمبروں کے بعد شہیدوں اور صالحوں سے صدیقین زیادہ بلند مرتبہ ہیں اور یہ امامت و وصایت کے مصداق ہیں۔ اور خاص و عام نے بطریق متواترہ روایت کی ہے کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ اس امت کے صدیق ہیں۔ اور فخر رازی، ثعلبی، اور احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور ابن شہرویہ نے فردوس میں اور ابن مغازلی اور دوسروں نے جنابِ رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ صدیق تین اشخاص ہیں۔ حبیب بن نجار جو مومن آلِ یٰسین ہیں۔ حزقیل جو مومن آلِ فرعون ہیں اور علیؑ ابن ابی طالب جو ان میں افضل ہیں اور ثعلبی نے بسندِ دیگر روایت کی ہے کہ اُمتوں میں سب سے سبقت لے جانے والے تین اشخاص ہیں جو ایک چشم زدن کے لیے بھی خدا کے منکر (کافر) نہیں ہوئے تھے۔ علی بن ابی طالبؑ اور صاحبِ آلِ یٰسین اور مومن آلِ فرعون۔ یہی حضرات صدیق ہیں اور علی بن ابی طالب ان میں سب سے افضل ہیں۔ حافظ ابو نعیم

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) جو شیخ مفید کے کلام میں گزر چکی۔ اور زید بن رومان سے روایت ہے کہ کسی شخص کی شان میں قرآنِ مجید کی اتنی آیتیں نہیں نازل ہوئیں جس قدر حضرت امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ ۱۲

نے عباد بن عبداللہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سُنا کہ امیر المومنینؑ فرماتے تھے کہ میں صدیق اکبر ہوں میرے بعد کوئی یہ دعویٰ نہ کرے گا۔ مگر وہ جھوٹا ہوگا۔ میں نے دوسروں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔ اور صدیق لغت اور عرف میں معصوم کے مترادف ہے یا اُس کے قریب اور صاحبِ صحاح نے کہا ہے کہ صدیق ہمیشہ تصدیق کرنے والا ہوتا ہے اور وہ وہ ہے جو اپنے قول کی اپنے کردار سے تصدیق کرے۔ خداوندِ عالم نے اس صفت سے پیغمبروں کی تعریف کی ہے حضرت ادریسؑ کی شان میں فرمایا ہے انّہ کان صدیقا نبیا حضرت یوسفؑ کے حق میں فرمایا ہے۔ یوسف ایھا الصدیق) اور جو شخص ان آیات کا مصدق اور ان صفات کا مالک ہوگا، یقیناً امامت و خلافت کا اُس سے زیادہ حق دار ہے جس میں یہ صفت نہ ہو۔ پھر اُس کو افترا کے ساتھ صدیق کہتے ہیں جیسا کہ برعکس نہند نام زنگی کافور (زنگی سیاہ فام اپنا نام کافور رکھتے ہیں)۔

(چوتھے) خداوندِ عالم فرماتا ہے افمن کان علی بینۃ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ یعنی وہ شخص جو اپنے پروردگار کی جانب سے حجت و برہان پر ہو اور اس کے پیچھے اُس کا گواہ ہو، کیا اُس کے مانند ہے جو ایسا نہ ہو؟ جو دلیل و حجت پر ہیں وہ جنابِ رسولِ خداؐ ہیں اور شاہد میں اِختلاف ہے۔ حدیث معتبرہ میں وارد ہوا ہے کہ مراد شاہد سے امیر المومنینؑ ہیں جو آنحضرتؐ کی حقیت پر گواہ ہیں۔ ابن ابی الحدید اور ابن مغازلی اور سیوطی نے درمنثور میں اور طبری اور اکثر عامہ نے متعدد طرق سے عبادہ بن عبداللہ اور عبداللہ بن حارث سے روایت کی ہے کہ ایک روز امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ قریش میں کوئی ایسا نہیں جس کی مدح یا مذمت میں ایک آیت یا دو آیت نہ نازل ہوئی ہو۔ ایک شخص نے پوچھا آپ کی شان میں کون سی آیت نازل ہوئی ہے۔ حضرت یہ سُن کر غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ سُورۂ ہود میں یہ آیت کیا تو نے نہیں پڑھی ہے۔ کہ رسولِ خداؐ حق تعالیٰ کی جانب سے حجت و برہان پر ہیں اور میں ان کا گواہ ہوں۔ فخر رازی نے جب اِس روایت کو ذکر کیا کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس گواہ کی شرافت کے لیے فرمایا ہے کہ اُسی سے ہے (یعنی رسولِ خداؐ سے) یعنی اُن سے مخصوص ہیں اور ان کے جسم کے ٹکڑے کے مانند ہیں۔ اِس تفسیر کی بنا پر چاہیئے کہ جناب امیرؑ رسولِ خداؐ کے تالی (پیچھے آنے والے) ہوں اور اُن کے بعد بلا فاصلہ خلیفہ ہوں۔ اور اگر فضل میں تالی مراد ہوں تو وہ امامت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ تفضیل مفضول قبیح ہے۔ ایضاً اُن حضرت کی عصمت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ گواہی میں ایک شخص جب تک معصوم نہ ہو مدعا ثابت نہ ہوگا۔

(پانچویں) آیۂ انّما انت منذر ولکل قوم ھاد (یعنی اے رسولؐ تم نہیں ہو مگر اس گروہ کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے، اور ہر قوم کے لیے ایک ہدایت کرنے والا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ تم ہر گروہ کے ہدایت کرنے والے ہو اور جو آیت کے اسلوب میں غور کرے تو اس کو معلوم

ہوگا کہ معنی اوّل زیادہ واضح ہے اور اس پر شیعوں کے طریقہ سے احادیث مستفیضہ وارد ہوئی ہیں اور عامہ نے بھی بطریق متعدد روایت کی ہے چنانچہ شواہد التنزیل میں ابی بردہ اسلمی سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب رسولِ خداؐ نے آبِ وضو طلب فرمایا۔ جب وضو سے فارغ ہوئے تو حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینہ حقائق دفینہ پر پھیرا اور فرمایا انما انت منذر پھر اپنا ہاتھ علی مرتضیٰؑ کے سینہ ...... پر رکھا اور فرمایا۔ ولکل قوم ھاد پھر فرمایا تم ہی نور بخش خلائق اور علامت راہِ ہدایت ہو اور قاریانِ قرآن کے امیر اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ایسے ہی ہو اور حافظ ابونعیم اصفہانی جو عامہ کے محدثین میں مشہور محدث ہیں، اپنی کتاب "ما نزل من القرآن فی حق علی علیہ السلام" میں کئی سندوں سے ابن عباس سے یہ روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی جناب رسولِ خداؐ نے اپنا دستِ مبارک علی علیہ السلام کے کاندھے پر رکھا اور فرمایا اے علیؑ تم ہی ہادی ہو اور تم سے میرے بعد ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے۔ ثعلبی نے بھی ابن عباس کی تفسیر میں روایت کی ہے۔

اور ابونعیم نے دوسری سند سے جناب رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ میں منذر (ڈرانے والا) اور علیؑ ہادی ہیں۔ اے علیؑ تم سے ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے۔ اور دوسری روایت کے مطابق جناب امیرؑ سے روایت کی ہے کہ منذر رسول اللہؐ ہیں اور ہادی بنی ہاشم میں سے ایک مرد ہے اور معلوم ہے کہ مرد سے مراد خود اپنی ذات لی ہے۔ چنانچہ ثعلبی نے اس کے بعد جبکہ یہ روایت دو سندوں سے حضرت امیرؑ سے روایت کی ہے کہا ہے فی نفسہ یعنی حضرتؑ نے بنی ہاشم میں سے ایک مرد سے خود اپنی ذات مراد لی ہے۔ عبداللہ بن احمد و ابن حنبل نے بھی اپنی مسند میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور یہ آیہ کریمہ اس تفسیر کی بنا پر جو خاصہ و عامہ کی روایاتِ مستفیضہ میں وارد ہوئی ہے، اس پر دلالت کرتی ہے جو کچھ فرقہ ناجیہ امامیہ رضوان اللہ علیہم قائل ہیں کہ کوئی زمانہ بندوں پر حجت خدا سے خالی نہیں رہتا۔ یا کوئی پیغمبر یا وصی پیغمبر یا کوئی امام جو لوگوں کی دینِ خدا کی اور عبادت کے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے، لوگوں کو ضلالت و گمراہی سے محفوظ رکھتا ہے۔ جیسا کہ عقل بھی اس پر شاہد عدل ہے۔ والحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدینا اللہ (اس خدا کا شکر ہے جس نے اس طریقہ کی ہم کو ہدایت کی اگر خدا ہماری ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے)۔

(چھٹی) ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد یعنی لوگوں میں ایک شخص وہ بھی ہے جو اپنی جان خدا کی خوشنودی کے عوض فروخت کرتا ہے، اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

عامہ وخاصہ کے طرق سے احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ وارد ہوئی ہیں کہ یہ آیت مولائے مومنین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جس رات کو کفارِ قریش نے جنابِ رسولِ خداؐ کے قتل پر اتفاق کیا تھا اور آنحضرتؐ خدا کی جانب سے مامور ہوئے تھے کہ اُن سے پوشیدہ ہو جائیں اور غار میں چلے جائیں۔ کفارِ قریش نے اس رات آنحضرتؐ کے خانۂ اقدس کا محاصرہ کر لیا تھا اور صبح کا انتظار کر رہے تھے اور آنحضرتؐ کو خدا کا حکم ہوا کہ امیر المومنینؑ کو اپنی جگہ (اپنے بستر پر) سُلا دیں تاکہ کفارِ قریش کو گمان ہو کہ خود جناب رسولِ صلعم ہیں۔ اور حضرتؐ باہر چلے جائیں۔ جب آنحضرتؐ نے یہ خوشخبری جناب امیرؑ کو پہنچائی وہ حضرت خوش ہو گئے اور اس نعمت کے شکریہ میں کہ اپنی جانِ شیریں کو حضرت سرورِ عالمینؐ کی جانِ اقدس پر فدا کریں گے، سجدۂ شکر ادا کیا اور آنحضرتؐ کے بستر پر سو گئے اور مشرکین کی سو برہنہ تلواریں اپنی جان پر خرید فرمائی۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور ان حضرت کی شان میں اس آیت کے نزول کی مخالفین نے اپنی تفسیر کی کتابوں میں متعدد طریقوں سے روایت کی ہے۔ جیسے فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اور حافظ ابونعیم نے نزولِ آیات میں اور احمد نے مسند میں اور سمعانی نے فضائل میں اور غزالی نے احیاء العلوم میں اور تمام مورخین و محدثین و شعراء نے۔

ہم اس رسالہ میں ثعلبی اور ابونعیم کی چند روایتوں پر اکتفا کرتے ہیں ثعلبی نے اپنی مشہور تفسیر میں سدی سے اُس نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اُس رات کو جبکہ جنابِ رسولِ خداؐ غار میں تشریف لے گئے اور علیؑ بن ابی طالب کو اپنے بستر پر سُلا دیا تھا۔ نیز روایت کی ہے کہ جب جنابِ رسولِ خداؐ نے مدینہ کی جانب ہجرت کا ارادہ کیا، حضرت امیر علیہ السلام کو مکہ میں چھوڑا تاکہ آنحضرتؐ کے قرض ادا کریں اور لوگوں کی امانتیں جو آنحضرتؐ کے پاس تھیں، ان کو واپس دے دیں۔ اُس رات جب کہ آنحضرتؐ نے چاہا کہ غار میں جائیں اور مشرکین نے آنحضرتؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ حضرتؐ نے جنابِ امیرؑ کو حکم دیا کہ آپؑ کے بستر پر سو رہیں اور فرمایا وہ سبز چادر حضری جو رات کو اوڑھا کرتا ہوں اوڑھ لو اور میرے بستر پر سو رہو۔ اگر خدا نے چاہا تو تم کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ جناب امیرؑ نے ایسا ہی کیا۔ اُس وقت خدائے تعالیٰ نے جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کو وحی کی کہ میں نے تمہارے درمیان برادری قرار دی ہے اور تمہاری دونوں کی عمریں ایک دوسرے سے دراز کی ہیں۔ تم میں سے کون دوسرے کو اپنی جان کے عوض طول زندگی کے لیے اختیار کرتا ہے۔ لیکن اُن دونوں فرشتوں میں سے کسی ایک نے اپنی طولِ زندگی سے ہاتھ نہیں اُٹھایا اور دوسرے کی زندگی کی درازی اپنے اوپر اختیار نہیں کی۔ اُس وقت خداوند عالم نے ان کو وحی کی کہ کیوں تم مثل علیؑ ابن ابی طالب کے نہ ہوئے کہ میں نے اُن کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

کا بھائی قرار دیا ہے۔ وُہ محمدؐ کے بستر پر اُن پر اپنی جان فدا کر کے سو رہے ہیں اور محمدؐ کی زندگی کو اپنی زندگی پر اختیار کیا ہے۔ اب زمین کی جانب جاؤ اور اُن کی دُشمنوں کے شر سے حفاظت کرو۔ یہ حکم ملتے ہی وہ دونوں فرشتے زمین پر آئے اور جبرئیلؑ جناب امیرؑ کے سرہانے بیٹھے اور میکائیل آپ کے پائنتی بیٹھے اور جبرئیل نے ندا دی کہ اے پسر ابوطالب تمھارے مثل کون ہے کہ خدا تم پر فرشتوں سے مباہات کرتا ہے۔ اور یہ آیت علیؑ کی شان میں آنحضرتؐ کے پاس بھیجی جس وقت کہ حضرتؐ مدینہ طیبہ کی جانب متوجہ تھے۔ اور حافظ ابونعیم نے بھی اس آیت کا علی علیہ السّلام کی شان میں نازل ہونا ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

(ساتویں وجہ) آیۂ کریمۂ تطہیر انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا یعنی خدا نے ارادہ کیا ہے کہ اے اہلبیت پیغمبر تم سے شرک و گناہ و شک اور ہر بدی کو دُور رکھے اور تم کو پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ واضح ہو کہ خاصہ و عامہ کے طرق سے معتبر حدیثیں وارد ہُوئی ہیں کہ یہ آیت امیرالمومنینؑ و جناب فاطمہؑ اور امام حسنؑ و امام حسینؑ علیہم السّلام کی شان میں نازل ہُوئی ہے اور عامہ کی جمیع صحاح اور اُن کی معتبر تفسیروں میں مذکور ہے جیسا کہ ثعلبی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسُول خداؐ نے فرمایا کہ یہ آیت میری، علی و فاطمہ و حسن و حسین (علیہم السّلام) کی شان میں نازل ہُوئی ہے۔ نیز ثعلبی وغیرہ نے ام سلمیٰ سے روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ جناب رسُولِ خدا میرے مکان میں تھے۔ فاطمہؑ آنحضرتؐ کیلئے حریرہ لائیں۔ حضرت چبوترہ پر بیٹھے تھے جو آنحضرتؐ کی خواب گاہ تھا۔ اُس پر خیبری چادر بچھا رکھی تھی اور میں حجرہ میں نماز پڑھ رہی تھی۔ جناب رسُولِ خداؐ نے فاطمہؑ سے فرمایا کہ اپنے شوہر اور اپنے لڑکوں کو بلاؤ، تو علی و حسن و حسین علیہم السّلام آئے۔ سب حضرات بیٹھ گئے اور حریرہ کھانے میں مشغول ہُوئے۔ اُس وقت حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جناب رسُولِ خداؐ نے عبا اپنی اُن حضرات پر بھی اوڑھا دی اور اپنے دستِ مبارک آسمان کی جانب بلند کر کے دُعا کی کہ خداوندا یہ میرے اہلبیت ہیں اور میرے مخصوص افراد ہیں لہٰذا ان سے رجس کو دُور رکھ۔ اور پاک رکھ ان کو جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ اُمِ سلمہؓ کہتی ہیں کہ مَیں نے گھر میں اپنا سر داخل کیا اور عرض کی کہ یا رسُول اللہ کیا میں بھی اس شرف میں آپ حضرات کے ساتھ ہوں۔ حضرت نے دو مرتبہ فرمایا کہ تمھاری عاقبت بخیر ہے۔ اور مجھ کو اُن میں داخل نہیں کیا۔ نیز ثعلبی نے مجمع سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنی ماں کے ساتھ عائشہ کے پاس گیا۔ میری ماں نے جنگِ جمل میں خروج کرنے کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ خدا کی قضا و قدر کا ایک امر تھا۔ میری ماں نے کہا علیؑ کے بارے میں آپ کیا کہتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ تم اس کے بارے میں پوچھتی ہو جو رسُولِ خداؐ کے نزدیک مردوں میں سب سے زیادہ محبوب تھا

اور عورتوں میں سب سے محبوب خاتون کا شوہر تھا۔ یقیناً میں نے علی و فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السّلام کو دیکھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اُن کو چادر کے اندر جمع کیا اور کہا خداوندا یہ میرے اہلبیت اور مخصوص افراد اور میرے دوست ہیں لہٰذا ان سے رجس کو دُور رکھ اور ان کو پاک رکھ جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ میں نے چاہا کہ چادر کے اندر میں بھی داخل ہوں تو فرمایا کہ دُور ہو۔ نیز اُن حضرات کے حق میں آیت کے نازل ہونے کے بارے میں عبداللہ بن جعفر طیار سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کی زوجہ حضرت زینب نے چاہا کہ داخل ہوں، حضرتؐ راضی نہ ہوئے۔ اور واثلہ بن اسقع سے روایت کی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ میرے اہلِ بیتؑ احق ہیں یعنی خلافت کے اور ہر چیز کے زیادہ حق دار ہیں اور ابنِ عباس سے روایت کی ہے اور صاحبِ جامع الاصول نے صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ ام سلمہ نے کہا کہ یہ آیت میرے مکان میں نازل ہوئی۔ میں دروازہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی میں نے آنحضرتؐ سے عرض کی کیا میں اہلبیت میں سے نہیں ہوں۔ فرمایا کہ تمھاری عاقبت بخیر ہے تم ازواجِ رسول میں سے ہو۔ اُس مکان میں نزولِ آیت کے وقت جنابِ رسولؐ خدا علی و فاطمہ و حسن و حسین صلوات اللہ علیہم اجمعین تھے۔ حضرتؐ نے عبا اُن پر اُڑھائی اور فرمایا خُداوندا یہ ہیں میرے اہلبیت ان سے رجس کو دُور رکھ اور ان کو پاک رکھ جو پاک رکھنے کا حق ہے۔ اور جامع الاصول میں دوسری روایت کے مطابق کہا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ میرے اہلبیت اور میرے مخصوص افراد ہیں۔ اُم سلمہؓ نے بھی التماس کیا کہ چادر میں ان کے ساتھ داخل ہوں جناب رسُولِ خداؐ نے منظور نہ فرمایا، اور فرمایا کہ تمھاری عاقبت بخیر ہے۔ پھر صحیح ترمذی سے عمرو بن ابی سلمہ سے اسی مضمون کی روایت کی ہے۔ اور صاحب جامع الاصول اور صاحبِ مشکوٰۃ نے صحیح مسلم سے عائشہ سے روایت کی ہے۔ ایک روز جنابِ رسُولِ خداؐ باہر نکلے آپ ایک سیاہ منقش چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ آپ نے علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السّلام کو اُس چادر کے اندر داخل فرما کر اس آیت کو پڑھا۔ اور ثعلبی نے بھی اس حدیث کو عائشہؓ سے روایت کی ہے اور ابن حجر نے جو ان کے عالموں میں سب سے زیادہ متعصب ہیں کتاب صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ اکثر مفسروں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ آیۂ مُبارکہ علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السّلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اس اعتبار سے کہ ضمیر عنکم جمع مذکر ہے اور صحیح مسلم اور جامع الاصول میں روایت ہے کہ حصین بن سمرہ نے زید بن ارقم سے پوچھا کہ کیا آنحضرتؐ کی بیبیاں آپ کے اہل بیت میں داخل ہیں، زید نے کہا نہیں واللہ زوجہ ایک عرصہ تک شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔ جب وہ طلاق دے دیتا ہے تو اپنے باپ کے گھر چلی جاتی ہے اور اپنی قوم سے مل جاتی ہے۔ بلکہ آنحضرتؐ کے اہلِ بیتؑ آپؐ کے قرابتدار ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ اور جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ انس بن مالک نے

کہا کہ جب آیۂ تطہیر اہلبیتؑ کی شان میں نازل ہوئی آنحضرتؐ تقریباً چھ ماہ تک جب نماز کے لیے حجرہ سے نکلتے تھے تو فاطمہؑ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر فرماتے تھے والصلوٰۃ یا اھلبیتی اے میرے اہلبیت نماز کے لیے چلو۔ پھر آخر تک آیۂ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے۔ اور خاصہ وعامہ نے بہت سے طریقوں سے ابوسعید خدری اور انس بن مالک اور عائشہ اور ام سلمہ اور واثلہ وغیرہم سے روایت کی ہے کہ یہ آیت مبارکہ آلِ عبا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ الغرض خاصہ وعامہ کے متواتر اخبار سے ظاہر ہوا کہ یہ آیت ان پانچ حضرات کے لیے مخصوص ہے اور آنحضرتؐ کی بیبیاں اور دوسرے اعزا اس میں داخل نہیں ہیں۔ لہٰذا آیت دلالت کرتی ہے کہ وہ حضرات کفر و نفاق، شک و شرک اور ہر گناہ سے معصوم ہیں۔ کیونکہ ارادہ کو چند معنی میں اطلاق کرتے ہیں (اوّل) وہ ارادہ جس کے بعد بلا فاصلہ مراد حاصل ہو جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا انّما امرہٗ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون یعنی خدا کا ارادہ تو جس چیز کے لیے ہوتا ہے تو بس کہہ دیتا ہے کہ ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے۔ (دوسرے) ارادہ بمعنی عزم ہے اور وہ خدا کے لیے محال ہے کہ نہ ہو۔ آیۂ سابقہ بھی صریح ہے اس پر کہ ارادۂ الٰہی اُس کے مراد سے پیچھے نہیں رہتا۔ (تیسرے) ارادہ بمعنی تکلیف ہے اور اس معنی کا اس آیت میں چند وجوہ کی بنا پر احتمال نہیں ہے۔ وجہ اوّل یہ کہ کلمہ انّما باتفاق عربی داناں حصر پر دلالت کرتا ہے۔ اور اہلبیت سے رجس کے دور ہونے کی تکلیف خصوصیت نہیں رکھتی ہے بلکہ تمام مکلّفین حتّٰی کہ کفّار بھی اس امر میں مکلّف ہیں اور خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے جن و انس کو نہیں پیدا کیا مگر اپنی عبادت کے لیے۔ دوسری وجہ یہ کہ متواتر حدیثوں کے طرز و اسلوب سے معلوم ہے کہ یہ آیت مدح و ثنا میں نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا جنابِ رسولِ خداؐ نے ان کو مخصوص قرار دیا اور چادر اُن پر اُڑھا دی اور فرمایا کہ یہی میرے اہلبیت اور میرے مخصوص افراد ہیں تو آیت عظیم تاکیدات سے موکّد نازل ہوئی۔ چنانچہ فخرالدین رازی نے باوجود تعصب کے کہا ہے کہ لیذھب عنکم الرجس یعنی تمام گناہوں کو تم سے زائل کرے ویطھرکم تطھیرا یعنی اپنی کرامتوں خلعتوں کو تمھیں پہنائے۔ اگر گناہوں کے ترک کی تکلیف مراد ہوتی جس میں کفّار اور فاسقین سب شریک ہیں تو کون سی تکلیف اور کون سی شرافت اور کون سی کرامت اُس میں ہوتی۔ (تیسری وجہ) یہ کہ اکثر روایتوں میں مذکور ہوا ہے کہ یہ آیت آنحضرتؐ کی دُعا اور استدعا کے بعد نازل ہوئی ہے اور جو حضرتؐ نے استدعا کی تھی وہ رجس کا زائل ہونا تھا نہ ارادہ بے حصول کا پیرو نہیں ہوتا۔ اگر یہ معنی مراد ہوتے تو آیت آنحضرت کی دعا کے رد پر ہو گی قبولیت پر نہ ہو گی۔ (چوتھی وجہ) یہ کہ اگر یہ معنی مراد ہوتے تو ام سلمہؓ کیوں اس قدر مبالغہ کرتیں کہ اپنے کو عبا میں داخل کریں اور حضرتؐ ان کے داخل کرنے سے کیوں انکار کرتے اس معنی میں

کہ ہر شخص اُس میں داخل ہے۔ اور یہ جو بعض مخالفین نے کہا ہے کہ یہ آیت اُن آیتوں کے درمیان میں ہے جن میں آنحضرتؐ کی بیبیوں سے خطاب ہوا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں بھی وہ مخاطب ہوں گی چند وجوہ سے باطل ہے۔

(وجہ اوّل) یہ کہ ضمیر مونث کا ضمیر مذکر میں تبدیل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خطاب اُن بیبیوں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص آیاتِ قرآنی میں غور و فکر کرتا ہے جانتا ہے کہ آیات میں اس طرح کے مواقع بہت ہیں کہ ایک قصہ کے درمیان دوسرا قصہ مذکور ہو جاتا ہے اور خطاب میں تبدیلی بہت ہوتی ہے جیسا کہ اس سورہ میں بھی اس طرح واقع ہوا ہے کہ ازواج سے خطاب کے درمیان مومنین کی جانب خطاب کا رُخ بدل گیا ہے۔ اُس کے بعد پھر اُن ہی (بیبیوں) سے خطاب ہوا ہے باوجودیکہ اِس جگہ پوری مناسبت ختم ہے اگر کوئی غور کرے کیونکہ اس جگہ کلام کا تبدیل ہونا عورتوں کی نسبت سے تبدیلی ہے کہ تم اور اہلبیت سب آنحضرتؐ کے ساتھ ہو۔ بلکہ تمھاری مُعاشرت اُن سے زیادہ ہے تو کیوں تم طہارت و نزاہت و آدابِ معاشرت کی رعایت میں ان کے مانند نہیں ہو یا یہ کہ ایسا نہ ہو کہ کسی کو گمان ہو کہ باوجود اس اختصاص کے عورتوں کے ایسے اعمال صادر ہوتے ہیں تو ممکن ہے اہلبیت سے بھی ایسے ہی العیاذ باللہ صادر ہوں اور ان کی عصمت کے ذیل میں طہارت کے بیان کے لیے ان حضرات کو درمیان میں داخل کر دیا ہوگا۔ اور یہ دو وجہیں جو اس فقیر (علامہ مجلسیؒ) کے دل میں آئی ہیں اُن وجہوں سے ربط و نظم میں زیادہ واضح اور آسان ہیں جو مفسروں نے بیان کی ہیں

(وجہ دوم) یہ کہ یہ بات اُس صورت میں حجت ہوتی ہے جبکہ قرآن مجید سے کوئی چیز ساقط نہ ہوئی ہوتی اور یہ معلوم نہیں۔ کیونکہ صاحب جامع الاصول نے زید بن ثابت سے نقل کیا ہے۔ کہ اس کے بعد جبکہ ہم نے قرآن جمع کر لیا تو آیہ رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه کو خزیمہ بن ثابت کے پاس پایا۔ پھر قرآن میں ملحق کیا۔ لہٰذا ممکن ہے کہ بہت سی آیتیں اس آیت کی سابق اور لاحق میں رہ گئی ہوں جو اس آیت میں شامل نہ کی گئی ہوں اور حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ کہ سورۂ احزاب میں قریش کے مردوں اور عورتوں کی مذمت میں آیتیں بہت تھیں وہ سورۂ بقرہ سے زیادہ بڑی تھیں ان لوگوں نے کم کر دیا اور تحریف کی۔

(وجہ سوم) یہ کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ قرآن کی ترتیب تنزیل کے مُطابق ہو۔ کیونکہ بہت سی مکی سُوروں کے بارے میں تصریح کی ہے کہ بعض آیتیں مدنی ہیں اور اس کے برعکس بھی کہ ممکن ہے دوسرے وقت نازل ہوئی ہو اور اس جگہ جان کر یا نادانستہ شامل کر دیا ہو۔

(وجہ چہارم) جبکہ خاصہ و عامہ کی احادیث صحیحہ متواترہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ آیت مخصوص

اہلبیتؑ کی شان میں ہے۔ اگر ربطِ آیات کا سبب ہم پر ظاہر نہ ہو تو کوئی ضرر نہیں اور ان کے دوسرے اعتراضات کے جوابات میں نے اپنی بڑی کتابوں میں درج کئے ہیں جن کے ذکر کی اس رسالہ میں گنجائش نہیں ہے اور جب خداوندِ عالم نے رجس اُن سے زائل کر دیا ہے تو چاہیئے کہ اُس کے مخاطب تمام افراد اُس سے دُور ہوں خصوصاً جبکہ اس مبالغہ کے بعد جو تطہیر میں واقع ہوا ہے جس کا واضح قرینہ عموم پر ہے۔ اس لیے چاہیئے کہ وہ حضرات تمام گناہوں سے پاک ہوں لہٰذا معصوم ہیں۔ اگر کہیں کہ آئندہ کی عصمت پر آیت دلالت نہیں کرتی تو ہم کہیں گے عصمت جو فی الجملہ حاصل ہے وہی کافی ہے کیونکہ اُمت میں سے کوئی قائل نہیں ہے کہ بعض اوقات معصوم رہے ہوں اور بعض وقت نہ رہیں اور یہ اجماع مرکب توڑنے والی بات ہے جس کو وہ لوگ جائز نہیں جانتے باوجودیکہ جس جگہ قرآن مجید میں اس صیغہ کے ساتھ ارادہ وارد ہوا ہے اس سے مراد حصول بالفعل اور دوامی ہے۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ ویرید اللہ ان یخفف عنکم۔ ویریدون ان یبدلوا کلام اللہ۔ ویرید الشیطان ان یضلھم۔ اس کے مثل بہت سی آیتیں ہیں اور جب عصمت ثابت ہوئی تو امامت بھی ان کے مردوں میں ثابت ہوتی ہے۔ اُن دلائل سے جو اماموں کی عصمت میں مذکور ہوئیں اس لیے کہ باتفاق امت ان کے علاوہ معصوم نہیں ہیں۔

(آٹھویں وجہ) آیۂ مباہلہ ہے فمن حاجک فیہ من بعد ما جاءک من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین ۝ اے رسولؐ جو شخص تم سے عیسیٰؑ کے بارے میں جھگڑا کرے اُس کے بعد جبکہ تمہارے پاس اس کا علم آچکا ہے تو اُن سے (نصارائے نجران سے) کہو کہ ہم بُلاتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو۔ ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو۔ ہم اپنی جانوں کو اور تم اپنی جانوں کو۔ پھر مُباہلہ کریں پھر خدا سے گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر لعنت کریں خاصہ وعامہ کے طریقہ سے بہت سی متواتر حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ یہ آیت آلِ عبا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ اور جامع الاصول اور دوسروں نے صحیح مسلم سے سعد بن وقاص سے روایت کی ہے کہ جب آیۂ مُباہلہ نازل ہوئی رسولِ خداؐ نے علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام کو طلب فرمایا اور فرمایا اللّٰھم ھولاء اھلبیتی (خداوندا یہی میرے اہلبیت ہیں) نیز مشکوٰۃ و صحیح مسلم و جامع الاصول میں عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ ایک صبح ایک رنگین چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس حسنؑ آئے آپؐ نے اُن کو عبا کے اندر داخل کر لیا۔ پھر حسینؑ آئے اُن کو بھی داخلِ عبا کر لیا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی اور حافظ ابونعیم اور دوسروں نے ابن عباس سے روایت کی

ہے کہ جب اہلِ نجران آئے حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تو رسولِ خداؐ علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے ساتھ آئے اور اُن سے فرمایا کہ جب میں دُعا کروں تم آمین کہنا یہ دیکھ کر اہلِ نجران نے ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے سے انکار کیا۔ اور حضرتؐ سے جزیہ دینے پر صلح کر لی۔ صاحب کشاف نے روایت کی ہے کہ جب جناب رسولِ خداؐ نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی تو اُن لوگوں نے کہا کہ ہم کو مہلت دیجیے تاکہ ہم جا کر غور و فکر کر لیں تو کل مُباہلہ کے لیے آئیں گے۔ جب وہ آپس میں مل کر بیٹھے اپنے صاحبِ رائے سے کہا اے عبدالمسیح تم کیا مصلحت دیکھتے ہو۔ اُس نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ خدا کی قسم تم نے جان لیا ہے کہ محمدؐ پیغمبرِ مُرسل ہیں اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں حجتِ قاطعہ پیش کر دی ہے۔ خدا کی قسم کسی گروہ نے اپنے پیغمبر سے مُباہلہ نہیں کیا کہ اُن کا بزرگ زندہ رہا ہو اور ان کے لڑکے بڑے ہوئے ہوں۔ اگر مباہلہ کرو گے اسی وقت سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر بلاشبہ اپنے دین سے اُلفت رکھتے ہو اور چاہتے ہو کہ اُس سے جدا نہ ہو تو آنحضرتؐ سے صلح کر لو اور اپنے شہر واپس چلو۔ الغرض وہ لوگ آنحضرتؐ کے پاس آئے۔ حضرت مُباہلہ کے لیے صبح ہی کو آ گئے تھے حضرت امام حسینؑ کو گود میں لیے ہوئے۔ امام حسنؑ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے حضرت فاطمہؑ آپ کے پیچھے تھیں اور جناب علیؑ اُن کے پیچھے تھے۔ جنابِ رسولِ خداؐ اُن سے فرما رہے تھے کہ جب میں دُعا کروں تم لوگ آمین کہنا۔ یہ دیکھ کر نجرانی اسقف (عیسائیوں کے سب سے بڑے پادری) نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ میں چند ایسے چہرے دیکھتا ہوں کہ اگر خدا سے چاہیں کہ اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ دے تو وہ رد نہ کرے گا۔ لہٰذا اگر ان سے مُباہلہ کرو گے تو سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پہ ایک نصرانی باقی نہ رہے گا۔ یہ سُن کر اُن لوگوں نے کہا اے ابوالقاسم ہماری رائے اس پر قرار پائی ہے کہ آپ سے مُباہلہ نہ کریں آپ اپنے دین پر رہیں اور ہم اپنے دین پر قائم رہیں۔ یہ سُن کر حضرتؐ نے فرمایا کہ جب تم مُباہلہ کرنے سے انکار کرتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ تاکہ تمھارے لیے وہ تمام مراعات حاصل ہوں جو مسلمانوں کے لیے ہیں اور جو کچھ فرائض مسلمانوں پر عائد ہیں وہ تمھارے لیے بھی ہوں گے۔ لیکن اِن لوگوں نے انکار کیا تو حضرتؐ نے فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ جنگ کروں گا۔ ان لوگوں نے کہا ہم کو اہلِ عرب سے جنگ کی طاقت نہیں ہے۔ لیکن ہم آپ سے صلح کرتے ہیں۔ آپ ہم سے جنگ نہ کیجیے اور نہ ہم کو ڈرایئے اور ہم کو ہمارے دین سے برگشتہ نہ کیجیے ہم اس شرط کے ساتھ صلح کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کو جزیہ میں ہر سال دو ہزار حلّے دیں گے۔ ماہ صفر میں ہزار حلّے اور ماہ رجب میں ہزار حلّے اور تیس زرہ عادی فدیہ دیں گے۔ الغرض حضرتؐ نے اِس طرح ان سے صلح کر لی اور فرمایا کہ خدائے لایزال کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اہلِ نجران کی ہلاکت قریب آ چکی تھی۔ اگر مُباہلہ کرتے

توسب مثلِ بندر اور سُور کے مسخ ہوجاتے اور یہ وادی اُن کے لیے آگ ہوجاتی۔ بیشک خداوندِ عالم نجران اور اہلِ نجران کو فنا کر دیتا بلکہ درختوں پر طائروں کو بھی قبل اسکے کہ سال پورا ہوتا تمام نصاریٰ ہلاک ہوجاتے۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں بھی یہی روایت بعینہا نقل کی ہے۔ پھر صاحب کشاف نے عائشہؓ کی روایت کا ذکر کرکے آخر میں کہا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے ان کو داخلِ عبا کیا۔ فرمایا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الخ۔ مُباہلہ کے واقعہ کا مضمون خاصہ و عامہ کے محدثین و مفسرین و مورخین کے درمیان متواتر ہے۔ اگرچہ اُس کے بعض خصوصیات میں اختلاف ہے لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مباہلہ آلِ عبا کے ساتھ ہوا اور اُن کے سوا کوئی عبا میں داخل نہ تھا۔

بہرصورت یہ واقعہ پیغمبرؐ کی حقیقت اور علی مرتضیٰؑ کی امامت اور تمام آلِ عبا کی فضیلت پر متعدد صورتوں سے دلالت کرتا ہے۔ اُن پر لاکھوں بار صلواۃ و سلام ہو۔ **پہلی صورت** ۔ یہ کہ اگر جنابِ رسولِ خداؐ کو اپنی حقیقت پر کامل بھروسہ نہ ہوتا تو اس جرأت کے ساتھ مُباہلہ پر اقدام نہ فرماتے اور اپنے بہت زیادہ پیارے عزیزوں کو اُس گروہ کی سریع التاثیر دُعا کی شمشیر کی دھار کے مقابل نہ لاتے جو اپنی حقیقت کا گمان یا احتمال رکھتا تھا۔ **دوسری صورت** ۔ یہ کہ آپ نے خبر دی کہ اگر تم لوگ میرے ساتھ مباہلہ کرتے تو تم پر خدا کا عذاب نازل ہوتا اور مباہلہ کرنے میں مبالغہ نہ فرماتے اگر اپنی حقیقت پر پُورا یقین نہ رکھتے ہوتے اور یہ مُبالغہ کرنا اپنے کذب کی کوشش کے اظہار میں ہوتا اور کوئی عاقل ایسا کام نہیں کرتا باوجود اس کے کہ تمام اہلِ مِلَل کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ ہر زمانہ کے عاقلوں سے بہت زیادہ صاحبِ عقل تھے۔ **تیسری صُورت** ۔ یہ کہ نصاریٰ نے مباہلہ سے انکار کیا۔ اگر آنحضرتؐ کی حقیت کا علم نہ رکھتے ہوتے تو چاہیئے تھا کہ آنحضرتؐ اور آپ کے اہلبیت کے لعنت کرنے کی پرواہ نہ کرتے اور اپنی قوم کے سامنے اپنی عزت و رتبہ کی حفاظت کرتے اور جنگِ مہلکہ پر اقدام کرتے، اپنی عورتوں، بچوں اور مال کو قید و قتل و تکلیف میں مبتلا کرتے اور جزیہ دینے کی ذلت و خواری منظور نہ کرتے۔ **چوتھی صورت** ۔ اکثر خبروں میں مذکور ہے کہ نصاریٰ ایک دوسرے کو آپس میں مُباہلہ سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ آنحضرتؐ کی حقیت ہم پر ظاہر و واضح ہوچکی ہے کہ آپ ہی پیغمبر موعود ہیں اس سبب سے مُباہلہ سے روکتے تھے۔ **پانچویں صورت** یہ کہ اس شریف واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر المومنینؑ، جنابِ فاطمہ اور حسن و حسین علیہم السلام جنابِ رسولِ خداؐ کے بعد خلقِ خدا میں سب سے اشرف و افضل اور آنحضرتؐ کے نزدیک سب سے زیادہ محبُوب تھے۔ چنانچہ ان کے تمام مخالفین و متعصبین مثل زمخشری، بیضاوی اور فخر رازی وغیرہ نے اس کا اعتراف کیا ہے اور زمخشری نے جو سب سے زیادہ متعصب ہیں کشاف میں لکھا ہے کہ اگر تم کہو کہ مخالف کو مباہلہ کی دعوت دینا اس لیے تھا کہ ظاہر ہو کہ وہ جھوٹے ہیں تو یہ امر آنحضرتؐ و مخالفین

کے درمیان مخصوص تھا۔ تو مباہلہ میں بچوں اور عورتوں کو شریک کرنے کا کیا فائدہ تھا تو ہم جواب میں کہیں گے کہ مباہلہ میں اُن کا شامل کرنا اپنی حقیقت پر زیادہ وثوق و اعتماد کی دلیل تھی اس سے کہ خود تنہا مُباہلہ فرماتے۔ کیونکہ ان کا شامل کرنا اس جرآت کا اظہار تھا کہ خود کو اور اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اور سب سے زیادہ محبوب افراد کو مقام تعرض و ہلاکت میں لائے اور صرف تنہا اپنی ذات پر اکتفا نہ کی اور یہ ظاہر کیا کہ مخالفین کے دروغ گو ہونے پر پورا یقین رکھتے تھے کہ چاہا کہ مخالفین مع اپنے اعزا و احباب کے ہلاک اور فنا ہوں۔ اگر مُباہلہ اور مُباہلہ کے لیے بیٹوں اور عورتوں کو مخصوص کیا کیونکہ وہ سب سے زیادہ محبوب ہیں اور دُوسروں سے زیادہ دل کو پیارے ہیں۔ زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ آدمی خود ہلاکت کی جگہ پر جاتا ہے تاکہ اُن کو کوئی تکلیف و صدمہ نہ پہنچے۔ اسی سبب سے لڑائیوں میں عورتوں اور لڑکوں کو لے جاتے تھے تاکہ نہ بھاگیں۔ اسی سبب سے خداوندِ عالم نے آیۂ مُباہلہ میں ان کو اپنی (رسُولؐ کی) جان پر مقدم رکھا تاکہ ظاہر کرے کہ وہ جان پر مقدم ہیں۔ اِس کے بعد محدث زمخشری کہتے ہیں کہ یہ اصحابِ عبا اہلبیتؑ کی فضیلت پر وہ دلیل ہے جس سے زیادہ قوی دلیل نہیں ہوسکتی۔ کلام زمخشری ختم ہوا۔

ہم کہتے ہیں کہ جب معلوم ہوا کہ وہ حضرات آنحضرتؐ کے نزدیک خلائق میں سب سے زیادہ محبوب تھے تو چاہیئے کہ اُس زمانہ میں خلق میں سب سے بہتر ہوں کیونکہ ہر دیانت دار عاقل پر ظاہر ہے کہ اُن سے آنحضرتؐ کی دوسروں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ محبت بشریت کے رابطوں کے سبب سے نہ تھی بلکہ جو خدا کے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا تھا آنحضرتؐ اُس کو زیادہ دوست رکھتے تھے کیونکہ بہت سی آیتوں اور حدیثوں میں محبت دینی نہ رکھنے والے اولاد و آباؤ اجداد و رشتہ داروں سے محبت کی مذمت وارد ہوتی ہے۔ نیز آنحضرتؐ کی سیرت سے معلوم تھا کہ جو عزیز و اقربا خدا کے دوست نہ تھے ان کو اپنے پاس سے دُور کر دیتے تھے۔ (جیسے کہ ابولہب کو کیونکہ وہ کافر تھا) اور اِن حضرات کی رعایت فرماتے تھے۔ اِس لیے کہ خدا کے دوست تھے۔ جیسے سلمان، ابوذر، مقداد اور اُن کے ایسے صاحبانِ ایمان۔ چنانچہ سید الساجدین امام زین العابدین علیہ السّلام اُن حضراتؑ کی مدح میں فرماتے ہیں والی فیث الابعدین عادی فیث الاقربین اور جب وہ حضرات خدا کے نزدیک بہترین و محبوب ترین خلق تھے اور بہترین اُمت تھے تو اُن پر امامت میں دُوسروں کو مقدم کرنا عقلاً قبیح ہوگا۔ چھٹی صورت فخر رازی نے جو علمائے اہلسنت کے سب سے بڑے عالم اور تعصب میں مشہور ہیں کہا ہے کہ شیعہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ علی بن ابی طالب علیہ السّلام سوائے پیغمبر آخر الزمانؐ کے سب پیغمبروں اور تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم بلاتے ہیں اپنے نفسوں کو اور تمہارے نفسوں کو تو

نفسوں سے مراد نفسِ مُقدّس محمدؐ نہیں ہے اس لیے کہ دعوت اپنی ذات سے غیر کی متقاضی ہے اور آدمی اپنے کو نہیں بُلاتا۔ لہٰذا چاہیئے کہ دوسری ذات مُراد ہو۔ اور باتفاق مخالف و موافق عورتوں اور بیٹوں کے علاوہ جس کو اَنْفُسَنَا تعبیر کیا ہے وہ علیؑ بن ابی طالب کے سوا کوئی نہ تھا لہٰذا معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے نفسِ علیؑ کو نفسِ رسولؐ کہا ہے اور دو نفس میں اتحادِ حقیقی محال ہے تو چاہیئے کہ مجاز ہو اور یہ اصول میں مقرر ہے کہ حمل لفظ سب سے قریب کے مجاز پر حقیقت میں سب سے دُور کے مجاز پر حمل کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ اور سب سے قریب کے مجاز کی تمام امور میں برابری اور تمام کمالات میں شرکت ہوتی ہے۔ سوائے اُس کے جو دلیل سے باہر ہو اور جو اجماع سے باہر ہوگئی وہ پیغمبری ہے کہ علیؑ اُن کے ساتھ شریک نہیں ہیں۔ لہٰذا چاہیئے کہ دوسرے کمالات میں باہم شریک ہوں اور آنحضرتؐ کے تمام کمالات میں سے ایک کمال یہ ہے کہ وہ تمام پیغمبروں سے اور تمام صحابہ سے افضل ہیں لہٰذا جناب امیرؑ بھی چاہیئے کہ تمام صحابہ سے افضل ہوں۔ تمام دلیل نقل کرنے کے بعد یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ اجماع اس پر منعقد ہوا ہے کہ محمدؐ علیؑ سے افضل ہیں اس لیے کہ اجماع اِس پر بھی منعقد ہوا ہے کہ پیغمبرانِ خدا غیر پیغمبروں سے افضل ہیں لیکن علیؑ کی صحابہ پر افضلیت کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا ہے کیونکہ اس جگہ کوئی جواب نہیں رکھتے تھے اور جو جواب کہ پیغمبروں کے بارے میں دیا ہے اُس کا باطل ہونا بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ شیعہ اس اجماع کو قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر تمام اُمت نے اجماع کر لیا ہے تو تسلیم نہیں ہے بلکہ اُس کا باطل ہونا واضح ہے کیونکہ اکثر شیعہ علماء کا اعتقاد یہ ہے کہ جنابِ امیرؑ اور تمام ائمہ اطہار سوائے پیغمبر آخر الزمانؐ کے تمام پیغمبروں سے افضل ہیں اور احادیث مستفیضہ بلکہ متواترہ اپنے آئمہ سے اس بارے میں روایت کی ہے اور تمام مقدمات چونکہ واضح ہیں، یہ فاضل جس کو امام المشککین کہتے ہیں وہ کوئی تصرّف نہیں کر سکتا ہے۔ لہٰذا امامت حضرت امیرالمومنینؑ بھی اسی دلیل سے ثابت ہوئی کیونکہ جنابِ رسُولِ خداؐ کے تمام کمالات میں سے امامت اور آپ کی اطاعت کا واجب ہونا ہے اور پیغمبری کے علاوہ ہے لہٰذا چاہیئے کہ وہ حضرت امام ہوں۔ نیز تمام انبیاء سے افضل ہونا اعلیٰ مرتبۂ امامت کے لیے لازم ہے قطع نظر اس کے کہ ترجیح مرجوح قبیح ہے اور اگر وہ کہیں کہ ممکن ہے دعوتِ نفس مراد ہو مجازاً اور ایک مجاز دوسرے مجاز سے اولیٰ و برتر نہیں ہے تو چند وجوہ سے جواب دیا جا سکتا ہے اور میں اس رسالہ میں دو جوابوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

اوّل - یہ کہ مجاز اطلاقِ نفس میں دُوسرے مجاز سے زیادہ آشکار ہے اور عرب و عجم میں شائع ہے کہ کہتے ہیں کہ تو میری جان کے برابر ہے۔ اور جنابِ امیرؑ کی خصوصیت میں یہ معنی خاصہ و عامہ کے

طریقوں سے بہت سی روایتوں میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ صحاح میں منقول ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے جناب امیرؑ سے فرمایا انت منی وانا منک یعنی اے علیؑ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ اور فردوس الاخبار میں روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ علیؑ میرے جسم سے' میرے سر کے مانند ہیں اور دوسری روایت کے مطابق میری رُوح کے مانند ہیں۔ اور منافقوں کے ایک گروہ سے خطاب کیا کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ ورنہ میں تمہاری طرف اُس مرد کو بھیجوں گا جو بمنزلہ میرے نفس کے ہے یعنی علیؑ۔ اور اس بارے میں حدیثیں بہت ہیں۔ اور یہ سب اُسی مجاز کا قرینہ ہیں

دوم ۔ یہ کہ یہ آیۂ کریمہ ہر احتمال کے ساتھ اُن حضرتؑ کی فضیلت اور امامت پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ ندع حق تعالیٰ نے صیغۂ متکلم مع غیر فرمایا ہے۔ وہ یا تو مخاطبوں کے داخل ہونے کے اعتبار سے ہے یا تعظیم کے لیے ہے۔ جو ان مقامات پر ظاہر ہے یا امت کے داخل ہونے کے لیے ہے۔ اور دونوں آخری احتمالات کی بنا پر کلام کا انداز یہ ہوگا۔ ندع ابنائنا وندع ابنائکم اس میں شک نہیں احتمال اوّل سب سے زیادہ واضح ہے اور یہ دو احتمالات بھی ہیں۔ (اول) یہ کہ ہم بلاتے ہیں اپنے اور تمہارے بیٹوں، عورتوں اور نفسوں کو (دوسرے) یہ کہ ہم میں اور تم میں سے ہر ایک جانبین کے بیٹوں عورتوں اور نفسوں کو بلائیں۔ اوّل زیادہ واضح ہے۔ چنانچہ بیضاوی اور اکثر مفسروں نے اُسی کی تصریح کی ہے۔ اگرچہ اکثر وجہیں مانحن فیہ میں کوئی دخل نہیں رکھتی ہیں۔ لیکن احتمالات کی تکمیل کے لیے مذکور ہوئیں۔ اور ابناء ونساء والنفس کی جمعیت پر احتمال ہے کہ تعظیم کے لیے ہو یا اُمت کے داخل کرنے یا مخاطبین کے لیے کلام کا انداز وہ ہو کہ ندع ابنائنا وابنائکم میں ابناء کا اعادہ رعایتِ لفظی کے لیے ہو۔ چونکہ ضمیر مجرور پر عطف ہیں اور اعادۂ جار بھی عربی داں لوگوں کے درمیان مرجوح ہے یا اس اعتبار سے ہو کہ ابتداء نظر میں یہ احتمال ہو کہ وہ مباہلہ میں ہر صنف کی جماعت سے داخل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جبکہ کسی کو اُن کے علاوہ نہ پایا جو اس امر کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس جماعت کو لائے اور خصوصیت سے اس جماعت کا تعین مباہلہ کے تحقق سے قبل ضروری نہیں تھا۔ اسی طرح ابنائنا ونسائنا اور انفسنا کی ضمیروں کا اکٹھا ہونا سوائے تیسرے احتمال کے تمام احتمالات رکھتا ہے اور وہ بھی اوّل میں نہایت بُعد میں ہے۔ کیونکہ معلوم ہے کہ ہر ایک کی دعوت مخصوص اپنی جماعت سے تھی۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ اگر جمعیت تعظیم کے لیے ہو اور نفس سے مراد وہ شخص ہو جو مباہلہ کا محرک ہو اور معلوم ہے کہ مباہلہ کی تحریک جناب رسولِ خداؐ کی جانب سے تھی۔ اور روایات واقوال پر اتفاق کی بناء پر جناب امیرؑ مباہلہ میں داخل تھے لہٰذا اُن حضرتؑ کا داخل ہونا بے ضرورت ہوگا۔ اور نصاریٰ کہہ سکتے تھے کہ ان کو کیوں لائے ہیں حالانکہ ہماری شرط میں یہ داخل نہیں تھا سوائے اس کے کہ کہیں کہ وہ

حضرتؑ اختصاص کی زیادتی کے لیے بمنزلۂ نفس آنحضرتؐ تھے۔ گویا دونوں ایک شخص کے مانند تھے۔ اس لیے ان کو لائے اور یہ وجہ اس مقام پر باوجود اس کے نہایت بُعد رکھتی ہے ہمارے مطلب میں داخل ہوگی اور اُن کے لیے زیادہ ضرر کی حامل ہوگی۔

(دوسری وجہ) ہم کہتے ہیں کہ اگر اُمت یا صحابہ مباہلہ میں داخل تھے تو کیوں اُن میں سے کم سے کم کچھ موجود تھے، مباہلہ میں نہ لے گئے سوائے اس کے کہ ہم کہیں سب کا حاضر کرنا عام شور و شغب اور آوازوں کے اختلاط کا باعث ہوتا اور اس بات کا توہم ہوتا کہ آنحضرتؐ اپنی حقیت پر بھروسہ نہیں رکھتے کہ اس جم غفیر کو اپنے ساتھ لائے ہیں تاکہ اپنی کثرت و شوکت سے ڈرائیں یا اس بارے میں گروہ مردم کی دعا پر بھروسہ کیا ہے۔ جب خود آگئے کہ سب کے قائم مقام تھے۔ اور اپنی ذات میں سب سے افضل و اولیٰ تھے اور امیرالمومنینؑ کو اس لیے لائے کہ ان کے امام و پیشوا اور مقتدا ہوں۔ نیز اُن کے بیٹے پیغمبرؐ کے بیٹے تھے اور فاطمہؑ جو پیغمبرؐ کی بیٹی تھیں جو اُن کی زوجہ تھیں۔ ان اسباب سے آنحضرتؐ کی تمام امت اور تمام صحابہ سے اس امر میں آنحضرتؐ سے خصوصیت رکھتے تھے اور یہ دونوں بزرگوار اپنی اور تمام امت کی جانب سے مباہلہ میں آئے جس طرح وہ جماعت بھی تمام نصاریٰ کی نمائندہ تھی اور سب کی طرف سے حاضر ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ وجہ بھی ہمارے مقصود میں زیادہ صریح اور ہمارا مطلب ثابت کرنے میں زیادہ قوی ہے۔ اسی طرح چوتھی وجہ بھی اُن حضرتؑ کے کمال فضل پر دلالت کرتی ہے۔ اس سبب سے کہ جب تمام امت اور صحابہ کے درمیان جو مباہلہ میں شامل ہونے کی اہلیت رکھتے تھے، حضرت علیؑ اور آپ کی زوجہ اور اولاد کے سوا نہ تھے۔ یہی دلیل اس کی ہے کہ ان کے سوا کوئی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس وجہ سے جو مذکور ہوئی۔ لہٰذا ان کا روکنا پہلے معنی کا فائدہ ان کو نہیں پہنچاتا۔ باوجودیکہ اُس معنی کی مؤید جانبین کی معتبر حدیثیں ہوں جیساکہ واضح ہوا۔ اگر کہیں کہ مجازات کے سبب سے قریب مجاز پر اُس وقت محمول ہوتا ہے جب کہ دوسرے معنی آشکار نہ ہوں اور یہ معلوم ہے کہ محبت اور اختصاص کے اظہار کے موقع پر اس معنی کا بہت استعمال کرتے ہیں، تو ہم جواب میں کہیں گے کہ ہرچند وہ حدیثیں جن کا سابقاً ہم نے اشارہ کیا اس پر دلالت کرتی ہیں کہ فقط یہی معنی مراد نہیں ہیں۔ لیکن ہم کو اس پر اصرار ضروری نہیں اور امامت اور خلافت کے زیادہ حقدار ہونے کے ثبوت کے لیے جو ہمارا اصلی مقصد ہے، اس مقام پہ اس مطلب کے حصول کے لیے کافی ہے۔ اُس تقریر سے جو مکرر مذکور ہوئی۔

(نویں وجہ) وتعیہا اذن واعیۃ یعنی حفظ کرنے والے اور محفوظ رکھنے والے کان آیات قرآنی اور حقائق ربانی کو حاصل کرتے اور حفظ کرتے ہیں۔ خاصہ اور عامہ نے مستفیضہ طریقوں سے روایت کی ہے کہ یہ آیت امیرالمومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اور

طریقوں سے بہت سی روایتوں میں وارد ہوا ہے۔ چنانچہ صحاح میں منقول ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے جناب امیرؑ سے فرمایا انت منی وانا منک یعنی اے علیؑ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ اور فردوس الاخبار میں روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ علیؑ میرے جسم سے میرے سر کے مانند ہیں اور دوسری روایت کے مطابق میری رُوح کے مانند ہیں۔ اور منافقوں کے ایک گروہ سے خطاب کیا کہ نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ ورنہ میں تمہاری طرف اُس مرد کو بھیجوں گا جو منزلہ میرے نفس کے ہے یعنی علیؑ۔ اور اس بارے میں حدیثیں بہت ہیں۔ اور یہ سب اُسی مجاز کا قرینہ ہیں

دوم ۔ یہ کہ یہ آیۂ کریمہ ہر احتمال کے ساتھ اُن حضرتؑ کی فضیلت اور امامت پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ ندع حق تعالیٰ نے صیغۂ متکلم مع غیر فرمایا ہے۔ وہ یا تو مخاطبوں کے داخل ہونے کے اعتبار سے ہے یا تعظیم کے لیے ہے۔ جو ان مقامات پر ظاہر ہے یا امت کے داخل ہونے کے لیے ہے۔ اور دونوں آخری احتمالات کی بنا پر کلام کا انداز یہ ہوگا۔ ندع ابنائنا وندع ابنائکم اس میں شک نہیں احتمال اوّل سب سے زیادہ واضح ہے اور یہ دو احتمالات بھی ہیں۔ (اول) یہ کہ ہم بلاتے ہیں اپنے اور تمہارے بیٹوں، عورتوں اور نفسوں کو (دوسرے) یہ کہ ہم میں اور تم میں سے ہر ایک جانبین کے بیٹوں عورتوں اور نفسوں کو بلائیں۔ اول زیادہ واضح ہے۔ چنانچہ بیضاوی اور اکثر مفسروں نے اُسی کی تصریح کی ہے۔ اگرچہ اکثر وجہیں مانحن فیہ میں کوئی دخل نہیں رکھتی ہیں۔ لیکن احتمالات کی تکمیل کے لیے مذکور ہوئیں۔ اور ابناء ونساء والنفس کی جمعیت پر احتمال سے ہے کہ تعظیم کے لیے ہو یا اُمت کے داخل کرنے یا مخاطبین کے لیے کلام کا انداز وہ ہو کہ ندع ابنائنا وابنائکم میں ابناء کا اعادہ رعایتِ لفظی کے لیے ہو۔ چونکہ ضمیر مجرور پر عطف ہیں اور اعادۂ جار بھی عربی داں لوگوں کے درمیان مرجوح ہے یا اس اعتبار سے ہو کہ ابتداء لنظاہر حال سے محتمل ہو کہ وہ مباہلہ میں ہر صنف کی جماعت سے داخل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور جبکہ کسی کو اُن کے علاوہ نہ پایا جو اس امر کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس جماعت کو لائے اور خصوصیت سے اس جماعت کا تعین مباہلہ کے تحقق سے قبل ضروری نہیں تھا۔ اسی طرح ابنائنا ونسائنا اور انفسنا کی ضمیروں کا اکٹھا ہونا سوائے تیسرے احتمال کے تمام احتمالات رکھتا ہے اور وہ بھی اول میں نہایت بُعد میں ہے۔ کیونکہ معلوم ہے کہ ہر ایک کی دعوت مخصوص اپنی جماعت سے تھی۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ اگر جمعیت تعظیم کے لیے ہو اور نفس سے مراد وہ شخص ہو جو مباہلہ کا محرک ہو اور معلوم ہے کہ مباہلہ کی تحریک جناب رسولِ خداؐ کی جانب سے تھی۔ اور روایات واقوال پر اتفاق کی بناء پر جناب امیرؑ مباہلہ میں داخل تھے لہٰذا اُن حضرتؑ کا داخل ہونا بے ضرورت ہوگا۔ اور نصاریٰ کہہ سکتے تھے کہ ان کو کیوں لائے ہیں حالانکہ ہماری شرط میں یہ داخل نہیں تھا سوائے اس کے کہ کہیں کہ وہ

حضرتؐ اختصاص کی زیادتی کے لیے بمنزلۂ نفس آنحضرتؐ تھے۔ گویا دونوں ایک شخص کے مانند تھے۔ اس لیے ان کو لائے اور یہ وجہ اس مقام پر باوجود اس کے نہایت بُعد رکھتی ہے ہمارے مطلب میں داخل ہوگی اور اُن کے لیے زیادہ ضرر کی حامل ہوگی۔

(دوسری وجہ) ہم کہتے ہیں کہ اگر اُمت یا صحابہ مباہلہ میں داخل تھے تو کیوں اُن میں سے کم سے کم کچھ موجود تھے، مباہلہ میں نہ لے گئے سوائے اس کے کہ ہم کہیں سب کا حاضر کرنا عام شور و شغب اور آوازوں کے اختلاط کا باعث ہوتا اور اس بات کا توہم ہوتا کہ آنحضرتؐ اپنی حقیقت پر بھروسہ نہیں رکھتے کہ اس جم غفیر کو اپنے ساتھ لائے ہیں تاکہ اپنی کثرت و شوکت سے ڈرائیں یا اس بارے میں گروہ مردم کی دعا پر بھروسہ کیا ہے۔ جب خود آگئے کہ سب کے قائم مقام تھے۔ اور اپنی ذات میں سب سے افضل و اولیٰ تھے اور امیرالمومنینؑ کو اس لیے لائے کہ ان کے امام و پیشوا اور مقتدا ہوں۔ نیز اُن کے بیٹے پیغمبرؐ کے بیٹے تھے اور فاطمہؑ جو پیغمبرؐ کی بیٹی تھیں جو اُن کی زوجہ تھیں۔ ان اسباب سے آنحضرتؐ کی تمام امت اور تمام صحابہ سے اس امر میں آنحضرتؐ سے خصوصیت رکھتے تھے اور یہ دونوں بزرگوار اپنی اور تمام امت کی جانب سے مباہلہ میں آئے جس طرح وہ جماعت بھی تمام نصاریٰ کی نمائندہ تھی اور سب کی طرف سے حاضر ہوئی تھی۔ لہٰذا یہ وجہ بھی ہمارے مقصود میں زیادہ صریح اور ہمارا مطلب ثابت کرنے میں زیادہ قوی ہے۔ اسی طرح چوتھی وجہ بھی اُن حضرتؐ کے کمال فضل پر دلالت کرتی ہے۔ اس سبب سے کہ جب تمام امت اور صحابہ کے درمیان جو مباہلہ میں شامل ہونے کی اہلیت رکھتے تھے، حضرت علیؑ اور آپ کی زوجہ اور اولاد کے سوا نہ تھے۔ یہی دلیل اس کی ہے کہ ان کے سوا کوئی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس وجہ سے جو مذکور ہوئی۔ لہٰذا ان کا روکنا پہلے معنی کا فائدہ ان کو نہیں پہنچاتا۔ باوجودیکہ اُس معنی کی مؤید جانبین کی معتبر حدیثیں ہوں جیساکہ واضح ہوا۔ اگر کہیں کہ مجازات کے سب سے قریب مجاز پر اُس وقت محمول ہوتا ہے جب کہ دوسرے معنی آشکار نہ ہوں اور یہ معلوم ہے کہ محبت اور اختصاص کے اظہار کے موقع پر اس معنی کا بہت استعمال کرتے ہیں، تو ہم جواب میں کہیں گے کہ ہرچند وہ حدیثیں جن کا سابقاً ہم نے اشارہ کیا اس پر دلالت کرتی ہیں کہ فقط یہی معنی مراد نہیں ہیں۔ لیکن ہم کو اس پر اصرار ضروری نہیں اور امامت اور خلافت کے زیادہ حقدار ہونے کے ثبوت کے لیے جو ہمارا اصلی مقصد ہے، اس مقام پہ اس مطلب کے حصول کے لیے کافی ہے۔ اُس تقریر سے جو مکرر مذکور ہوئی۔

(نویں وجہ) وتعیہا اذن واعیۃ یعنی حفظ کرنے والے اور محفوظ رکھنے والے کان آیات قرآنی اور حقائق ربانی کو حاصل کرتے اور حفظ کرتے ہیں۔ خاصہ اور عامہ نے مستفیضہ طریقوں سے روایت کی ہے کہ یہ آیت امیرالمومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اور

حافظ ابونعیم نے حلیہ میں اور واحدی نے اسباب نزول میں اور طبری نے خصائص میں اور راغب اصفہانی نے محاضرات میں اور ابن مغازلی نے مناقب میں اور ابن مردویہ نے اپنی کتاب مناقب میں اور اکثر محدثین و مفسرین خاصہ و عامہ نے حضرت امیرالمومنینؑ ، ابن عباسؓ ، بریدہ اسلمیؓ ، ضحاک اور کثیر جماعت سے روایت کی ہے اور بعض روایتوں کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ نے کہا کہ رسولِ خداؐ نے مجھ کو سینہ سے لگا کر فرمایا کہ مجھ کو میرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ تم کو اپنا مقرب قرار دوں۔ اور اپنے علوم کی تم کو تعلیم دوں۔ لہٰذا مجھ پر لازم ہے کہ اپنے پروردگار کی اطاعت کروں اور تم کو لازم ہے کہ وہ علوم حفظ کرو اور فراموش نہ کرو۔ اُس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔
دوسری روایت کے متعلق فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی تھی کہ اس کو تمہارے کان قرار دے اور خدا نے میری دعا قبول فرمائی۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا کہ اُس کے بعد جو کچھ حضرت سے میں نے سنا ہرگز نہیں بھولا۔ اور کیسے ہو سکتا تھا کہ میں بھولتا جبکہ آنحضرتؐ کی دعا تھی۔ زمخشری اور فخر رازی نے باوجود انتہائی تعصب کے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ اور زمخشری نے کشاف میں لکھا ہے کہ اذن واعیۃ سے مراد وہ کان ہیں جس کی یہ شان ہے کہ جو کچھ سنیں یاد رکھیں اور فراموش نہ کریں اور اُس پر عمل کرنا ترک نہ کریں۔ اُس کے بعد یہ آخری روایت درج کی ہے۔ اگر تم کہو کہ کیوں خدا نے اذن کو بلفظ مفرد اور نکرہ استعمال کیا ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ اُس کی دانائی کے لیے ہے بہت زیادہ یاد رکھنے والا ہے اور لوگوں کی اس امر پر سرزنش ہے اور اُس پر دلالت کے لیے ہے کہ ایک کان جو یاد رکھتا ہے بہت ہے اور خدا کے نزدیک گروہ کثیر کے مانند ہے اور دوسری جماعت کی پرواہ نہیں ہے ہر چند تمام عالم کو پُر کرے زمخشری کا کلام ختم ہوا۔ خداوندِ عالم نے اُن کے قلم سے لکھوا دیا ہے کہ اقرار کر لینا کہ بعثت کا فائدہ اور آیتوں کا نزول خاص طور سے جناب امیرؑ کے لئے عمل میں آیا ہے۔ وہی حافظ علوم الٰہی ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ وہ چند جاہلوں کے محکوم رہے ہوں گے۔ جو تمام احکام میں انہی کے محتاج تھے۔ اور انہی سے دریافت کرتے تھے۔ خداوندِ عالم نے فرمایا ہے۔ ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون[1]۔ مع اُن تمام آیتوں اور دلیلوں کے جو سابقاً مذکور ہوئیں۔ اسی کی موید یہ کہ آنحضرتؐ قرآن کے الفاظ و معنی کے تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے ابن حجر نے ابن سعد سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہ کس بارے میں نازل ہوئی، کس مقام پہ نازل ہوئی اور کس وقت نازل ہوئی ، بیشک مجھ کو میرے پروردگار نے سمجھنے والا دل اور گویا زبان عطا فرمائی ہے۔ نیز کہا ہے کہ ابن سعد اور دوسروں نے ابوالطفیل سے روایت کی ہے کہ علیؑ نے فرمایا کہ کتابِ خدا کے بارے میں سوال کرو۔

---
[1] (ترجمہ) کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو لوگ نہیں جانتے برابر ہیں؟

بیشک خدا نے کوئی آیت نہیں نازل کی۔ مگر یہ کہ میں جانتا ہوں کہ رات کو نازل ہوئی ہے یا دن کو۔ صحرا میں نازل ہوئی ہے یا پہاڑ پر اور کہا ہے کہ ابنِ داؤد نے محمد ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسالت مآبؐ نے عالمِ قدس کی جانب رحلت فرمائی علی علیہ السلام ابوبکر کی بیعت کے لیے نہیں گئے۔ اور فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ سوائے نماز کے چادر دوش پر نہیں رکھوں گا۔ اور قرآن کو جمع کروں گا۔ پھر کہتے ہیں کہ پُورے قرآن کو تنزیل کے مطابق جمع کیا۔ ابنِ سیرین نے کہا کہ اگر ہم کو وہ قرآن ملتا تو کیا اچھا ہوتا کیونکہ اُس میں علوم ہیں۔ اور طبری نے ام سلمہؓ سے روایت کی ہے۔ وُہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسُول خداؐ سے سُنا کہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علیؑ کے ساتھ۔ یہ دونوں آپس سے جُدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں۔ نیز روایت کی ہے کہ جنابِ رسُولِ خداؐ نے اپنے مرضِ موت میں فرمایا کہ ایہاالناس نزدیک ہے کہ میری رُوح قبض کی جائے اور مجھے تمھارے درمیان سے بُلا لیا جائے میں تم سے زیادہ باتیں نہیں کہتا ہوں اپنا عذر تم پر تمام کرتا ہوں۔ بیشک تمھارے درمیان خدا کی کتاب اور اپنی عترت کو چھوڑتا ہوں جو میرے اہلبیتؑ ہیں۔ پھر علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور فرمایا یہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ یہ ایک دُوسرے سے جُدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس وارد ہوں۔ میں اُس وقت تم سے سوال کروں گا کہ میری رعایت ان کے حق میں کس طرح کی ہے[1]

دسویں وجہ – اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال بجالائے خداوندِ مہربان بہت جلد اُن کو دوست قرار دے گا۔ ثعلبی نے کہا کہ خدا اُن کو دوست رکھتا ہے اور اُن کی دوستی آسمان اور زمین کے مومن بندوں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ پھر اپنی سند سے روایت کی ہے کہ براء ابنِ عازب سے کہ جناب

---

[1] (مولف فرماتے ہیں کہ) جب ایسے شخص نے جس نے اکثر احادیث متواترہ میں قدح کی ہے باوجود انتہائی تعصب کے ان احادیث کو نقل کیا ہے اور رد نہیں کیا تو یہی اُن حضرت کی امامت و خلافت کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ جبکہ رحلت کے وقت جنابِ رسُولِ خداؐ فرماتے ہیں کہ میں جاتا ہوں اور اپنے عوض تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ پھر امیرالمومنینؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کے ساتھ ہے اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ واضح ہے لفظ و معنئ قرآن انہی حضرتؑ کے ساتھ ہیں اور وہی قرآن کے مفسر ہیں۔ اور قرآن اُن کی حقیقت پر گواہی دیتا ہے اور قرآن کی پیروی ان حضرت کی پیروی کے بغیر جائز نہیں ہے اس کے بعد بر سبیلِ تاکید فرماتے ہیں کہ قیامت میں تم سے سوال کروں گا کہ کیونکر ان کی رعایت کی ہے۔ ہر صاحبِ عقل جو اس حدیث میں غور کرے اور تعصب کام میں نہ لائے سمجھ لے گا کہ یہ اُن حضرتؑ کی خلافت پر نصِ صریح ہے۔ قطعِ نظر اس کے کہ ان کا عالم ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ امامت کا زیادہ سزاوار ہونے کے لیے کافی ہے۔ ۱۲

Hoyalin

رسولِ خدا نے علیؑ سے خطاب فرمایا کہ کہو کہ خداوندا اپنے نزدیک میرے لیے ایک عہد اور مومنین کے سینوں میں میری محبت و مودت قرار دے۔ اُس وقت خداوندِ عالم نے یہ آیت بھیجی اور حافظ ابونعیم نے یہی روایت کتاب ما نزل من القرآن فی علیؑ میں درج کی ہے اپنی سند سے براء بن عازب سے روایت کی ہے نیز بسند خود ضحاک سے اور اُس نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ یعنی اُن کی محبت مومنین کے دل میں ڈالتا ہے۔ نیز روایت کی ہے کہ رسولِ خداؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ سر اُٹھا کر اپنے پروردگار سے سوال کرو تاکہ تم کو جو کچھ سوال کرو، وہ عطا فرمائے۔ یہ سُن کر علیؑ نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور کہا خداوندا میرے لیے اپنے نزدیک دوستی قرار دے۔ اُس وقت جبریل یہ آیت لائے۔ نیز ابن جبیر نے ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ علیؑ کی محبت ہر مومن کے دل میں ہے اور محمد بن حنفیہ سے روایت کی ہے کہ کوئی مومن نہیں ہے مگر یہ کہ اُس کے دل میں علیؑ کی محبت ہے۔ نیز ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ہم مکہ میں تھے۔ جناب رسولِ خداؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑا پھر کوہِ بدر پر چار رکعت نماز ادا کی اور آسمان کی جانب سر اُٹھا کر علیؑ سے فرمایا کہ اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کرو۔ اور دعا کرو اور جو کچھ چاہو خدا سے طلب کرو کہ وہ تم کو عطا فرمائے گا۔ یہ سُن کر علیؑ نے اپنے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھائے اور کہا خداوندا اپنے نزدیک میرے لیے ایک عہد اور ایک مودت قرار دے۔ اُس وقت خداوندِ عالم نے یہ آیت نازل فرمائی اور جناب رسولِ خداؐ نے آیت اصحاب کو سُنائی ان لوگوں نے اس واقعہ سے بہت تعجب کیا حضرت نے فرمایا کس بات سے تعجب کرتے ہو، قرآن کے چار حصے ہیں۔ ایک حصہ مخصوص ہم اہلبیتؑ کی شان میں نازل ہوا ہے ایک حصہ ہمارے دُشمنوں کی مذمت میں۔ ایک حصہ حلال و حرام کے بارے میں ہے اور ایک حصہ فرائض و احکام کے بارے میں ہے۔ بیشک حق تعالٰے نے قرآن کی بہترین آیتیں علیؑ کی شان اور اُن کی مدح میں بھیجی ہیں اور اس آیت کا اُن حضرتؑ کی شان میں نازل ہونے کو اکثر مفسرین و محدثین نے روایت کی ہے جیسے نیشاپوری نے اپنی مشہور تفسیر میں ابنِ مردویہ نے مناقب میں، سجستانی نے غرائب القرآن میں، طبری نے خصائص میں ابن حجر نے صواعق محرقہ میں اور دوسرے علماء نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہے۔ قطع نظر احادیثِ مستفیضہ شیعہ کے جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ ہم اس رسالہ میں اُن کو درج نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ یہ مودت جو آنحضرتؐ کی دُعا سے نازل ہوئی ہے اُن حضرت سے مخصوص ہے اُس مودت کے علاوہ جو تمام مومنین آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رکھتے ہیں بلکہ یہ محبت جزو ایمان ہے اور اس کے ترک کرنے سے کفر و نفاق حاصل ہوتا ہے اور وہ لوازم امامت سے ہے نیز صالحات

لام کے ساتھ جمع معروف ہے اور عموم کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا آپ کی عصمت پر دلالت کرتا ہے اور عصمت امامت کے لیے لازمی امر ہے۔ نیز العیاذ باللہ اگر اُن سے کوئی فسق (گناہ) صادر ہوتا تو ان کا بغض اسی طرح لازم ہوتا اور محبت واجب ہونے کے منافی ہے اور اس کی مؤید کہ مودتِ عام مومنین مراد نہیں ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو دین و ایمان کے رُکن سے ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کو وہ منزلت عطا فرما جس کی وجہ سے اُن کی محبت تمام مومنوں پر واجب ہو اور اُن کی محبت ان کے ایمان کی دلیل ہے اس کا ثبوت وہ روایت ہے جو مشکوٰۃ میں صحیح ترمذی اور مسند احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ علیؑ کو کوئی منافق دوست نہیں رکھتا اور کوئی مومن دشمن نہیں رکھتا نیز مسند سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ جس نے علیؑ کو گالی دی اُس نے مجھ کو گالی دی۔ اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں کہا ہے کہ صحابہ کے ایک گروہ نے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے جناب امیرؑ سے فرمایا کہ تم کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور دشمن نہیں رکھتا مگر منافق۔ اور حضرت علیؑ نے فرمایا کہ خدا کی قسم پیغمبر امی نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ مجھ کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور مجھ کو دشمن نہیں رکھتا مگر منافق اور جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوست رکھتا ہے علیؑ کو وہ شخص جس نے مجھ کو دوست رکھا ہے اور جس شخص نے علیؑ کو دشمن رکھا ہے اس نے مجھ کو دشمن رکھا ہے۔ اور جو شخص علیؑ کو آزار پہنچاتا ہے یقیناً اُس نے مجھ کو آزار پہنچایا ہے اور جس شخص نے مجھ کو آزار پہنچایا ہے اُس نے خدا کو آزار پہنچایا ہے اور جابر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم رسولِ خداؐ کے زمانہ میں منافقین کو نہیں پہچانتے تھے مگر علیؑ کی عداوت سے۔ یہاں تک حدیثیں ابنِ عبدالبر کی روایت کی ہوئی تھیں اور صحیح ترمذی سے جامع الاصول میں حضرت امیرؑ سے روایت کی ہے کہ جنابِ رسولِ خداؐ نے امام حسن و امام حسین علیہما السلام کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جو شخص مجھ کو دوست رکھتا ہے ان دونوں کو دوست رکھتا ہے اور ان کے باپ اور ماں کو دوست رکھتا ہے وہ روزِ قیامت میرے درجہ میں میرے ساتھ ہوگا نیز صحیح ترمذی میں ابی وجانہ سے روایت کی ہے انھوں نے کہا کہ ہم گروہ انصار منافقین کو بغض علیؑ کے سبب سے پہچانتے تھے صحیح ترمذی میں بھی ام سلمہ سے یہ روایت کی ہے۔ نیز صحیح مسلم و ترمذی و نسائی سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ میں اُس خدا کی قسم کھاتا ہوں جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور گھاس کو اُگایا اور خلائق کو پیدا کیا ہے کہ حضرت نبی امیؐ نے مجھ سے عہد فرمایا ہے کہ مجھ کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور دشمن نہیں رکھتا مگر منافق اور ابن حجر نے صواعق محرقہ میں جنابِ رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ جب عمرو اسلمی نے جنابِ امیرؑ کی آنحضرتؐ سے شکایت کی تو حضرتؐ نے فرمایا کہ تو نے مجھے اذیت دی عمرو نے کہا کہ میں خدا سے پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ آپ کو آزار پہنچاؤں تو

حضرتؐ نے فرمایا کہ جس نے علیؑ کو آزار پہنچایا اُس نے مجھے آزار پہنچایا ہے۔ نیز ابن حجر نے روایت کی ہے کہ بریدہ جناب امیرؑ کے ساتھ یمن گئے اور جب وہاں سے واپس آئے تو اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جناب امیرؑ خمس کے مال سے ایک جاریہ (کنیز) اپنے تصرف میں لائے۔ منافقین صحابہ نے اُس سے کہا کہ جناب رسولِ خداؐ سے اس کی شکایت کرو۔ شاید علیؑ اُن کی نظروں سے گر جائیں۔ جناب رسولِ خداؐ نے یہ باتیں دروازہ کے پیچھے سے سُن لیں اور نہایت غصہ میں ان کے سامنے آئے اور فرمایا کہ ایک جماعت کس سبب سے علیؑ سے دشمنی رکھتی ہے یا ان کی عیب جوئی کرتی ہے جو شخص علیؑ کو دشمن رکھتا ہے اُس نے یقیناً مجھ کو دشمن رکھا ہے اور جو شخص علیؑ سے جُدائی اختیار کرتا ہے اُس نے مجھ سے مفارقت اختیار کی ہے علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں۔ وہ میری طینت سے خلق ہوئے ہیں اور میں جناب ابراہیمؑ کی طینت سے خلق ہوا ہوں اور میں ابراہیمؑ سے بہتر ہوں۔ اور حضرتؐ نے یہ آیت پڑھی ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم۔ اے بریدہ شاید تو نہیں جانتا کہ خمس میں علیؑ کا حق اُس جاریہ سے زیادہ ہے جس کو علیؑ اپنے تصرف میں لائے ہیں۔ اس مضمون کو جامع الاصول میں صحیح ترمذی اور بخاری سے روایت کی ہے۔ نیز ابن حجر اور ابن اثیر اور ترمذی اور صاحب مشکوٰۃ اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے جناب رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یقیناً خدا نے مجھ کو چار شخصوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور وہ علیؑ و سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اُن تین حضرات کی محبت کا حکم صرف اس لیے تھا کہ وہ جناب امیرؑ سے کسی حال میں جدا نہیں ہوئے۔ نیز ابن حجر نے چند سندوں سے جناب رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ جس نے علیؑ کو آزار پہنچایا اُس نے مجھ کو آزار پہنچایا ہے۔ نیز آنحضرتؐ سے روایت کی ہے کہ جس نے علیؑ کو گالی دی اس نے مجھ کو گالی دی ہے۔ نیز ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ جو شخص علیؑ کو دوست رکھتا ہے اُس نے مجھ کو دوست رکھا ہے اور جس نے مجھے دوست رکھا اُس نے خدا کو دوست رکھا ہے۔ اور جو شخص علیؑ کو دشمن رکھتا ہے اُس نے مجھے دشمن رکھا ہے اور جو مجھ کو دشمن رکھتا ہے اُس نے خدا کو دشمن رکھا ہے۔ نیز انس سے روایت کی ہے کہ جناب رسولِ خداؐ نے فرمایا کہ مومن کے صحیفۂ اعمال کا عنوان محبت علیؑ ہے۔ نیز مناقب احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں مدینہ کے ایک باغ میں سو رہا تھا۔ جناب رسولِ خداؐ نے مجھے بیدار کیا اور فرمایا کہ تم میرے بھائی ہو میرے فرزندوں کے پدر ہو اور میرے بعد میری سُنت پر جنگ کرو گے جو شخص میرے عہد پر مرے گا وہ بہشت میں ہو گا۔ اور جو شخص تمہارے عہد پر مرے گا اُس نے اپنے عہد کو پورا کیا ہو گا اور جو شخص تمہارے بعد تمہاری محبت پر مرے گا۔ خداوندِ عالم اُس کا خاتمہ میرے

اور ایمان کے ساتھ کرے گا۔ جب تک کہ آفتاب طلوع و غروب ہوتا رہے گا۔ اور بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں کہ اگر لوگ محبت علیؑ پر جمع ہوتے تو خداوندِ عالم دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ اور دیلمی کی فردوس الاخبار اور مخالفین کی دوسری کتابوں میں ابن عمر سے انھوں نے رسولِ خداؐ سے روایت کی ہے کہ محبتِ علیؑ وہ نیکی ہے جس کے ساتھ گناہ ضرر نہیں پہنچاتا اور دشمنیِ علیؑ وہ گناہ ہے جس کی وجہ سے کسی نیکی کا فائدہ نہیں ہو سکتا۔ نیز اُنھی حضرت سے روایت کی ہے کہ محبتِ علیؑ گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ اور ہروی نے غریبین میں عبادہ بن الصامت سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنی اولاد کا امتحان محبت علیؑ کے ذریعہ کرتے تھے تو جس لڑکے کو دیکھتے تھے کہ اُن حضرتؑ کو دوست نہیں رکھتا۔ ہم سمجھ لیتے تھے کہ وہ حلال زادہ نہیں ہے۔ الغرض اس بارے میں خبریں مخالفین و موافقین کے طریقوں سے حد و شمار سے زیادہ ہیں اور ان اخبار کے طرزِ بیان و اسلوب سے ہر عاقل صاحب بصیرت اور ہر عالم باخبر پر واضح ہے کہ ان اخبار سے مُراد یا امامت ہے یا اس سے کوئی مرتبۂ بلند جس کے لیے امامت لازمی ہے کیونکہ تمام اُمت میں ایک شخص کا ممتاز ہونا اُس کے ساتھ کہ اُس کی محبت ایمان کی علامت اور حلال زادہ ہونے کی نشانی اور سعادتِ ابدی اور بہشت جاودانی میں داخل ہونے کا سبب ہو اور اُس کی محبت خدا و رسولؐ کی محبت ہو۔ اور اُس کی دشمنی نفاق اور حرامی ہونے کی علامت اور ابدی شقاوت اور عذابِ جاودانی اور خدا و رسولؐ کی دشمنی ہو وہ نہیں ہو سکتا تھا سوائے اس کے کہ پیشوائے اُمت، خلیفۂ خدا اور جانشینِ رسولِ خداؐ ہو، اور اُس کی ولایت جزوِ ایمان و اسلام ہو بلکہ تمام ارکانِ اسلام و ایمان کے حاصل ہونے کا مستلزم ہو۔ اور یہ مرتبۂ امامت کے جلیل مرتبہ کے بغیر جو مرتبۂ نبوتِ کبریٰ کے پیچھے پیچھے ہے متصور نہیں ہے اور تمام مومنین کی محبت اگرچہ ایمان کی جہت سے ثواب کا باعث ہے اور وہ ایمان کی محبت ہوتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ ان کی محبت فی نفسہ واجب اور حصولِ ایمان کے لیے لازم ہو اور ان کی عداوت اگرچہ معصیت کے جہت سے بُری ہے لیکن اس کی انتہا یہ ہے کہ اگر اظہار کریں تو گناہِ کبیرہ ہوگا۔ لیکن نفاق، اور ایمان سے خارج ہونے اور عذابِ ابدی کا سبب نہیں ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اُن حضرتؑ کی ولایت شہادتین کے پیچھے پیچھے ہے جس طرح انکارِ توحید و رسالت ایمان و اسلام سے خارج کر دیتا ہے اُسی طرح ولایت سے انکار بلکہ اُن حضرتؑ کی محبت ترک کر دینے سے اِنسان ایمان بلکہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اِس بنا پر جو کچھ تم نے بیان کیا لازم آتا ہے کہ اُن حضرتؑ کا رُتبہ نبوت کے مرتبہ سے بالاتر ہوگا۔ اگرچہ انکارِ نبوت جہنم میں جانے کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن اس کا اقرار حصولِ ایمان و

داماد ہوئے۔ ہر وقت اُن کے سامنے رہتے اور کبھی آنحضرتؐ کو اُن کی تربیت میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ایسا شاگرد ایسے اُستاد کی خدمت میں ایسے حالات کی خصوصیت کے ساتھ فضل و کمال کی انتہائی بلندی پر پہنچتا ہے۔ لیکن ابوبکر اپنی آدھی عمر گذارنے کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور اُس عمر میں بھی رات و دن میں ایک مرتبہ حاضر خدمت اقدس ہوتے تھے اور وہ بھی بہت کم وقت تک آنحضرتؐ کی خدمت میں رہتے تھے اور مشہور ہے کہ العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر والعلم فی الکبر کالنقش فی المدر یعنی علم بچپن میں پتھر پر نقش کے مانند ہوتا ہے جو زائل نہیں ہوتا اور پیرانہ سالی میں ٹھیکرے پر نقش کے مانند ہوتا ہے جو ذرا سی ٹھیس لگنے سے برطرف ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس مجمل بیان سے ثابت ہوا کہ علیؑ افضل ہیں اور اعلم (سب سے زیادہ جاننے والے) ہیں [۱]

نیز صحیح نسائی سے روایت کی ہے کہ علیؑ نے کہا کہ مجھے آنحضرتؐ کے نزدیک وہ منزلت حاصل تھی جو خلائق میں کسی کو میسر نہ تھی میں صبح ہوتے ہی یعنی بہت جلد آنحضرتؐ کے در اقدس پر حاضر ہوتا اور کہتا کہ السلام علیک یا نبی اللہ، اگر حضرت صرف کھکھار کر رک جاتے تو میں واپس چلا آتا، ورنہ حاضر خدمت ہو جاتا اور مشکوٰۃ میں صحیح ترمذی سے ام عطیہ سے روایت کی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے امیرالمومنینؑ کو کسی جنگ میں بھیجا میں نے دیکھا کہ دستِ مبارک حضرت آسمان کی جانب اُٹھا کر دعا فرماتے تھے کہ خداوندا مجھ کو دنیا سے نہ اُٹھانا جب تک کہ علیؑ کو نہ دکھا دینا۔ اور اس قسم کی حدیثیں جو آنحضرتؐ سے کثرتِ ملاقات پر دلالت کرتی ہیں اور اُن دونوں بزرگوار کی آپس میں خصوصیت کی شدت اور امیرالمومنینؑ کی تربیت میں آنحضرتؐ کا کمال اہتمام ظاہر کرتی ہیں بہت ہیں۔ پھر فخر رازیؒ کہتے ہیں کہ ان کی فضیلت میں چند دلیلیں ہو سکتی ہیں۔

دلیل اوّل ۔ آیت وتعیہا اذن واعیہ جو علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور جب مخصوص ہوئی فہم کی زیادتی کے ساتھ تو علم کی زیادتی سے مخصوص ہوگی۔ **دوسری دلیل** یہ ہے کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ اقضاکم علیؑ (علیؑ تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں) چونکہ قضاوت (فیصلہ کرنا) تمام علم کا محتاج ہے تو جب ان کو قضاوت میں

---

[۱] مؤلف فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی تائید میں جو فخر رازی نے شیعوں کی طرف سے تقریر کی ہے وہ حدیث ہے جو جامع الاصول میں صحیح ترمذی سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں ہوتا تھا جب میں پوچھتا تھا تو آنحضرتؐ مجھے آگاہ فرماتے۔ اگر میں خاموش رہتا تو حضرتؐ خود مجھے تعلیم فرماتے تھے۔ ۱۲